روشن ستارے

حضرت علامہ محمد اکمل عطا قادری عطاری

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائیل میں فری
حاصل کرنے کے لیئے
ٹیلیگرام چینل لنک
https://t.me/tehqiqat
آرکاریو لنک
https://archive.org/details
/@zohaibhasanattari
بلوگسپوٹ لنک
https://ataunnabi.blogspot
.com/?m=1

طالب دعا۔ زوہیب حسن عطاری

صحاح ستّہ اور مشکوٰۃ شریف میں موجود
خلفائے راشدین، امام حسن وحسین، ازواجِ مطہرات اور اہل بیت اطہار
کے فضائل ومناقب پر مشتمل
ایک کتابِ لاجواب

روشن ستارے

مؤلف
مفتی محمد اکمل

مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور

786
92

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلی آلک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب	—	روشن ستارے
مؤلف	—	علامہ محمد اکمل عطا قادری عطاری مدظلہ العالی
صفحات	—	208
ہدیہ	—	[redacted] روپے
اشاعت اول	—	اکتوبر 2002ء

﴿توجہ فرمائیں﴾

آپ سے مدنی گذارش ہے کہ خط وکتابت کے لئے آئندہ درجِ ذیل پتے کو استعمال کریں نیز ہماری کتب بھی (پرچون وہول سیل) یہاں سے طلب فرمائیں۔

مکتبہ اعلیٰ حضرت

الحمد مارکیٹ دکان 25 غزنی سٹریٹ 40 اردو بازار لاہور پاکستان

042-7247301-0300-8842540

E-mail:maktabaalahazrat@hotmail.com

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلے اسے پڑھئے

اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھنا اور آپ سے محبت کی علامت آپ کے صحابہ واہل بیت (رضی اللہ عنہم) سے الفت وعقیدت کے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا ہے۔

یہ سلسلہ محبت، ایک مسلمان کے لئے دنیوی واخروی لحاظ سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں انسان دنیا میں رحمت وبرکات الٰہی کا مستحق ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے بے شمار مسائل حل ہوتے چلے جاتے ہیں اور آخرت میں درجات کی بلندی اور رضائے الٰہی اس کا مقدر بنتی ہے۔

علمائے اہل سنت (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) نے اس سلسلے میں اپنے اپنے انداز میں بہت سی کتابیں تحریر فرمائیں۔ مکتبہ اعلیٰ حضرت (قدس سرہ) نے بھی اس کارِ خیر سے حصہ حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور علامہ مفتی محمد اکمل عطا قادری عطاری مدظلہ العالی نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اور عوام وخواص اہل سنت کو ایک معیاری کتاب کا تحفہ مزید عنایت فرمادیا۔

اس کتاب میں صحاح ستہ اور مشکوۃ شریف سے فضائل اخذ کئے گئے ہیں۔ اور فی الحال فضائل خلفائے راشدین واہل بیت اطہار وحسن وحسین وبی بی فاطمہ وخدیجہ وعائشہ وعباس (رضی اللہ عنہم) کا انتخاب کیا گیا ہے۔

ترتیب کچھ اس طرح رکھی گئی ہے کہ اولاً مذکورہ صحابہ کی مختصر، لیکن جامع سوانح، پھر ان کے فضائل پر مشتمل احادیث اور ہر حدیث کے تحت، فائدہ کے زیرِ عنوان،

حدیث کے وضاحت طلب پہلوؤں کی شرح ،مستند شروحات کی روشنی میں کی گئی ہے۔

دوران حدیث ،رحمتِ عالم (ﷺ) اور اصحاب کرام (رضی اللہ عنہم) کا کلام عربی میں نقل کر کے پھر ترجمہ لکھا گیا ہے،تا کہ خطباء ومقررین حضرات کو بیان میں مزید سہولت حاصل ہو۔ نیز ہر عربی عبارت پر اعراب بھی لگائے گئے ہیں۔

اسی طرح شرح کرتے ہوئے جہاں کوئی بات بہت اہم محسوس ہوئی ،اسے بھی عربی میں بمع اعراب تحریر کیا گیا ہے اور پھر ترجمہ بھی لکھ دیا گیا۔

غرض یہ کہ یہ کتاب ،عوام کے ساتھ ساتھ اہل علم حضرات کے لئے بھی ایک کارآمد ترین تحفہ ہے۔جس کا اندازہ مطالعے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

اگر اس کے مطالعے کے دوران ،کوئی مزید مفید مشورہ ذہن میں آئے ،تو ضرور مطلع فرمائیں ،ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔

خادم مکتبہ اعلیٰ حضرت (قدس سرہ)

محمد اجمل قادری عطاری

۱۸ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ بمطابق ۲۵ ستمبر ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ کا نام عبداللہ بن عثمان بن عامر (رضی اللہ عنہ) تھا۔ بارگاہ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آپ کو صدیق وعتیق کے القابات سے نوازا گیا۔ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) بیان فرماتی ہیں کہ "جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رات میں مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی گئی اور صبح آپ نے اس کی اطلاع لوگوں کو دی، تو کئی مسلمان اسے سن کر خرابی ایمان کے فتنے میں مبتلاء ہو گئے۔ لیکن ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے سنکر فرمایا، "میں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خبر دینے کی بناء پر اس سے بھی عجیب وغریب چیزوں کی تصدیق کرتا ہوں۔" اس وجہ سے آپ کا لقب صدیق پڑ گیا۔"

آزاد مردوں میں سب سے پہلے قبول اسلام کا شرف آپ کے ہی حصے میں آیا۔

آپ کے قبول اسلام کا واقعہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعلانِ نبوت سے پہلے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) یمن گئے۔ وہاں ایک بوڑھے عالم سے ملاقات ہوئی۔ اس نے سیدنا ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو دیکھ کر کہا کہ "میرا گمان ہے کہ تم حرم کے رہنے والے ہو۔" حضرت ابوبکر نے کہا "ہاں! میں اہلِ حرم سے ہوں۔" اس نے کہا، "میرا گمان ہے کہ تم قریش سے ہو۔" آپ نے جواب دیا کہ "ہاں! میں قریش سے ہوں۔" اس نے پوچھا، "تم تمیمی ہو؟" انہوں نے کہا، "ہاں میں تمیم بن مرہ کی اولاد سے ہوں۔" اس نے بتایا کہ مجھے تمہاری ایک علامت کا علم ہے۔ انہوں نے پوچھا، "وہ کیا؟" اس نے کہا، "تم اپنا پیٹ کھولو۔" سیدنا ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ "نہیں! تم مجھے اس کا سبب

بتاؤ۔'' اس نے کہا کہ ''میں اپنے صحیح اور صادق علم کے ذریعہ جانتا ہوں کہ حرم میں ایک نبی مبعوث ہوگا اور ایک ادھیڑ عمر اور ایک جوان شخص اس نبی کی مدد کریں گے۔ جوان شخص مبہمات کو سر کرنے والا اور مشکلات کو حل کرنے والا ہوگا اور ادھیڑ عمر شخص سفید رنگ کا نحیف ولاغر ہوگا اور اس کے پیٹ پر تل ہوگا، اس کی الٹی ران پر ایک علامت ہوگی۔ تم مجھے وہ علامت کیوں نہیں دکھاتے، جو میں نے بتائی ہے؟'' سیدنا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ''میں نے پیٹ سے کپڑا ہٹایا، تو اس نے میری ناف کے اوپر ایک سیاہ رنگ کا تل دیکھا اور کہا، ''رب کعبہ کی قسم! تم وہی ہو، میں تمہارے پاس خود آنے والا تھا۔'' حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا، ''کس لئے؟'' اس نے کہا کہ یہ بتانے کے لئے کہ تم راہِ ہدایت سے نہ ہٹنا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نعمت عطا کی ہے، اس میں ڈرتے رہنا۔'' جب حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اس سے رخصت ہونے لگے، تو اس نے کہا کہ مجھ سے کچھ شعر سنتے جاؤ۔ (پھر اس نے چند شعر سنائے۔)

حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ''جب میں واپس مکہ مکرمہ پہنچا، تو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہو چکے تھے۔ مجھ سے عقبہ بن ابی معیط، شیبہ، ربیعہ، ابوجہل، ابو البختری اور دیگر صنادیدِ قریش ملے۔ انہوں نے کہا کہ اے ابوبکر! ایک عظیم واقعہ ہوگیا ہے، ابوطالب کے یتیم (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی مرسل ہیں۔ اگر تم نہ ہوتے، تو ہم اس معاملہ میں انتظار نہ کرتے، اب تم آگئے ہو تو اس کا فیصلہ کرنا تم پر موقوف ہے۔'' میں نے ان کو احسن طریقے سے واپس کیا، پھر نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں پوچھا، تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر میں ہیں۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، آپ باہر تشریف لائے۔ میں نے پوچھا، ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!

آپ نے اپنے آباؤ اجداد کا دین ترک کر دیا؟'' آپ نے جواب دیا کہ'' اے ابو بکر (رضی اللہ عنہ)! میں تمہاری اور تمام لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، تم اللہ پر ایمان لے آؤ۔'' میں نے کہا کہ آپ کے اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟'' فرمایا'' وہ بوڑھا شخص جو تمہیں یمن میں ملا تھا۔'' میں نے کہا کہ میں تو وہاں کئی بوڑھوں سے ملا ہوں۔'' آپ نے فرمایا کہ'' وہ بوڑھا شخص جس نے تمہیں شعر سنائے تھے۔'' میں نے کہا کہ'' آپ کو کس نے خبر دی؟'' آپ نے فرمایا کہ اس عظیم فرشتے نے جو مجھ سے پہلے انبیاء کے پاس آتا رہا ہے۔'' میں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں اور بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔'' پھر فرماتے ہیں کہ'' میں واپس ہو گیا اور میرے اسلام لانے پر پوری وادی میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر کوئی خوش نہیں تھا۔'' (اسد الغابہ جلد ۳)

آپ خلیفہ اول اور رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سب سے قریبی صحابی ہیں۔ سفر ہجرت میں معیت کا شرف حاصل کیا، بہت بڑے عالم، فقیہ، صاحبِ تدبیر، متقی اور کثرتِ عبادت اختیار فرمانے والے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی گھٹیا حرکات کی جانب مائل نہ ہوئے۔

☆ ابن عساکر (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتے ہیں کہ غزوہ بدر میں عبد الرحمٰن بن ابی بکر مشرکین کے ساتھ تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنے حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو بتایا کہ'' آپ جنگِ بدر میں کئی بار میری زد میں آئے، لیکن میں نے آپ کو نظر انداز کیا اور قتل نہیں کیا۔'' یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ'' اگر تم میری زد میں آجاتے تو میں تم سے صرفِ نظر نہ کرتا اور تمہیں قتل کر دیتا۔'' (تاریخ الخلفاء)

☆ حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کا مکہ میں دستور تھا کہ آپ غلاموں میں سے اسلام قبول کرنے والے ضعیف مردوں اور بوڑھی عورتوں کو خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کے والد نے کہا کہ "اے بیٹے! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بوڑھے مرد اور عورتوں کو خرید کر آزاد کرتے ہو، اگر تم ان کی بجائے طاقتور اور جوان لوگوں کو خرید کر آزاد کرو گے، تو وہ تمہارا ساتھ بھی دیں گے اور نقصان سے بھی بچائیں گے۔" یہ سن کر آپ نے جواب دیا کہ "اے والد محترم! اس کام سے میرا بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہے۔" (دنیاوی فائدہ پیش نظر نہیں۔) (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۷)

☆ ابن عساکر نے حضرت ابوصالح غفاری سے روایت کی کہ حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) ایک بہت بوڑھی نابینا عورت کے لئے جو کہ مدینہ منورہ کے قرب وجوار میں رہتی تھی، رات کو پانی بھر دیا کرتے اور دوسرے کام بھی کر دیا کرتے تھے۔ ایک روز جب آپ اس کے پاس گئے، تو دیکھا کہ اس کے روزمرہ کے کام کوئی پہلے ہی نپٹا چکا تھا۔ پھر تو یہ روز کا معمول ہو گیا۔ آپ کو بہت حیرت ہوئی کہ یہ کون شخص ہو سکتا ہے؟ آپ اس نامعلوم کی ٹوہ میں لگ گئے۔ ایک دن آپ نے دیکھا کہ وہ شخص خلیفۂ رسول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ انہیں دیکھنے کے بعد آپ نے کہا کہ "مجھے اپنی جان کی قسم! یہ آپ کے سواء کون ہو سکتا تھا؟" (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۸)

☆ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے روایت کی کہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے پاس ایک غلام تھا۔ اس کی مزدوری اور اجرت سے اپنا حصہ مقرر کر رکھا تھا، جو آپ صرف میں لاتے۔ ایک روز وہ غلام کھانے کی کوئی چیز لایا۔ آپ نے اس

سے اپنے حصہ کی چیز لے کر کھالی۔ اس غلام نے کہا،'' آپ جانتے ہیں کہ یہ چیز میں نے کس طرح حاصل کی؟'' آپ کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ'' ایام جاہلیت میں میرا پیشہ کہانت تھا اور آپ جانتے ہیں کہ کہانت میں جھوٹی بچی پیش گوئیاں ہوتی ہیں۔ میں نے ایک شخص کو فال بتائی تھی، آج وہی شخص مجھے اتفاقاً ملا اور اس کے عوض مجھے رقم دی، جس میں سے میں نے کچھ آپ کو دے دی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے حلق میں انگلیاں ڈال کر قے کر دی۔'' (تاریخ الخلفاء۔ صفحہ ۲۴۹)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے آپ کی وفات کے سلسلے میں تین اقوال نقل فرمائے ہیں۔

﴿1﴾ سیف و حاکم، ابن عمر (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ'' صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی موت کا اصل سبب، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات تھی۔ اس صدمے سے آپ کا بدن گھلنے لگا اور یہی آپ کی وفات کا باعث ہوا۔''

﴿2﴾ ابن سعد اور حاکم نے ابن شہاب سے روایت کی کہ آپ کے پاس کسی نے تحفۃً کھانا بھیجا۔ آپ اور حارث بن کلدہ (رضی اللہ عنہما) دونوں کھانے لگے۔ حارث نے عرض کی'' اے خلیفہ رسول (رضی اللہ عنہ)! اس کھانے کو نہ کھائیے، اس میں ایسا زہر ملا ہوا ہے کہ جو ایک سال میں اثر کرتا ہے، آپ دیکھیں گے کہ ایک سال کے اندر اندر ہم دونوں ایک ہی دن مر جائیں گے۔'' یہ سن کر آپ نے ہاتھ کھینچ لیا، لیکن زہر اپنا کام کر چکا تھا۔ یہ دونوں اسی وقت سے بیمار رہنے لگے اور ایک سال بعد اسی زہر کے باعث ایک ہی دن انتقال فرما گئے۔

﴿3﴾ واقدی اور حاکم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما) نے سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ

عنہما) سے روایت کیا کہ والدِ محترم نے ۷ جمادی الآخر بروزِ پیر غسل فرمایا، اس روز بہت زیادہ سردی تھی۔ پس آپ کو بخار آگیا، پندرہ روز تک علیل رہنے کے بعد ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ بروز منگل آپ کا انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ روضہ مبارکہ میں مدفون ہیں۔ (اسد الغابہ۔ تاریخ الخلفاء)

﴿قرآن واحادیث میں آپ کے فضائل کا بیان﴾

(1) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، "وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور جنہوں نے ان کی تصدیق کی، یہی ڈر والے ہیں۔" (پ۲۴۔ زمر۔۳۳)

فائدہ:۔

یہاں ایک قول کے مطابق تصدیق فرمانے والوں سے مراد، صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

(2) ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا ۔صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے یار سے فرماتے تھے، غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو اللہ نے ان پر اپنا سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی، جو تم نے نہ دیکھیں۔" (پ۱۰۔ توبہ۔۴۰)

فائدہ:۔

امام فخر الدین رازی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے تفسیر کبیر میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت مختلف طریقوں سے فضیلت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی جناب اشارہ فرمایا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں، دَلَّتْ هٰذِهِ الْآيَةُ عَلٰى فَضِيْلَةِ اَبِيْ بَكْرٍ (رضی اللہ عنہ) مِنْ وُجُوْهٍ ۔یعنی یہ آیت، مختلف وجوہ سے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

(1) جب رسول اللہ (ﷺ) کفار کی جانب سے قتل کی کوشش کے خطرے کے پیشِ نظر غار کی طرف تشریف لے گئے، تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ باطنی اعتبار سے قطعی طور پر سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے مومن وصادق وصدیق ہونے پر مطمئن تھے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا، تو آپ ایسے مقام پر کبھی بھی اپنے آپ کو ان کے ساتھ نہ رکھتے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن تھا کہ صدیق اکبر کا باطن، ان کے ظاہر کے برخلاف ہوتا، تو ایسی صورت میں آپ غار میں ان کیساتھ نہ ہوتے، بلکہ خطرہ محسوس فرماتے کہ کہیں یہ دشمنوں کو خبر نہ کردیں یا خود حملہ کر کے قتل کی کوشش نہ کریں۔ لھذا معلوم ہوا کہ آپ قطعی طور پر مطمئن تھے کہ صدیق اکبر کا باطن، ان کے ظاہر کے موافق ہے۔

(2) یہ ہجرت، اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی اور سرکار (ﷺ) کی خدمت فرمانے والوں میں ایسے بھی لوگ تھے، جو نسبی اعتبار سے صدیق اکبر کے مقابلے میں رسول اللہ (ﷺ) زیادہ قریب تھے۔ چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا، تو بظاہر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اس صحبت کے ساتھ خاص نہ ہوتے۔ پس اللہ تعالیٰ کا آپ کو اس شرف کے ساتھ خاص فرمانا ثابت کرتا ہے کہ آپ دینی معاملے میں منصبِ عالی پر فائز تھے۔

(3) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے علاوہ سب رسول اللہ (ﷺ) جدا ہو گئے، لیکن آپ نے دیگر حضرات کی مثل، رسول اللہ (ﷺ) کے بغیر ہجرت نہ فرمائی، بلکہ اس شدید خوف میں بھی صبر وتحمل کا دامن تھام کر رسول اللہ (ﷺ) کی موانست وخدمت کو

لازم جانا، اور یہ خدمت، فضل عظیم کو واجب کرنے والی ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ نے آیتِ پاک میں آپ کا نام ثانی اثنین رکھا، چنانچہ (معلوم ہوا کہ) اس نے آپ کو غار میں اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ثانی بنا دیا۔ علماءِ کرام نے ثابت کیا ہے کہ اکثر امورِ دینیہ میں آپ، رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ثانی رہے ہیں۔ مثلاً،

(i) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آپ کو دعوت دے کر مسلمان کیا اور قبول اسلام کے بعد آپ نے طلحہ و زبیر و عثمان وغیرہ اکابر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو دعوت دے کر مسلمان کیا، تو گویا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں ثانی اثنین ہوئے۔

(ii) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب بھی غزوے میں کسی جگہ ٹھہرتے، تو آپ بھی ان کے ساتھ ٹھہرتے، کبھی جدا نہیں ہوتے تھے، تو گویا کہ آپ باعتبارِ مجلس کے ثانی اثنین ہوئے۔

(iii) جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مرض وفات میں مبتلاء ہوئے، تو آپ نماز میں امامت کے سلسلے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قائم مقام ہوئے، چنانچہ اس طرح بھی ثانی اثنین ہوئے۔

(iv) اور جب آپ نے وفات پائی، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پہلو میں مدفون ہوئے، تو گویا کہ یہاں بھی آپ ثانی اثنین ہوئے۔

(5) اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مصاحب ہونے سے موصوف فرمایا اور یہ امر آپ کے کمال فضل پر دلالت کرنے والا ہے۔

(6) آیت پاک میں اللہ کا قول **لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا**، آپ کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ بے شک یہاں معیت سے مراد، حفظ و نصرت و حراست و معونت

میں معیت ہے۔ اور اس معیت میں آپ، رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ شریک ہیں۔

(7) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے اور اللہ جس کے ساتھ ہوتا ہے، وہ متقی و نیک ہوتا ہے، کیونکہ اللہ نے فرمایا ''اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۔ (ترجمہ: بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔) (نحل۔۱۲۸)۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) متقین و محسنین میں سے ہیں۔

(8) آیت میں اللہ تعالیٰ کے قول لَا تَحْزَنْ میں نہی مطلق ہے اور مطلق نہی دوام و تکرار کو واجب کرتی ہے۔ اور یہ قاعدہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آپ اس کے بعد کبھی بھی غمگین نہ ہوں۔ نہ موت سے پہلے، نہ اس کے وقت اور نہ اس کے بعد۔

یارِ غار

☆ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت سعید خدری اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں کہ ''وَکَانَ اَبُوْبَکْرٍ مَعَ النَّبِیِّ (ﷺ) فِی الْغَارِ۔'' غار میں نبی کریم (ﷺ) کے ہمراہ، حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تھے۔''

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ))

فائدہ:۔

ماں باپ اور کعبۃ اللہ عزوجل کو دیکھنا عبادت ہے، تو اللہ تعالیٰ کے حبیب (ﷺ) جو بالاتفاق ان سے افضل ہیں، ان کی زیارت کتنی بڑی عبادت ہوگی؟... نیز کعبۃ اللہ کا قرب، رحمتِ الٰہی کے نزول کا سبب ہے، تو سرورِ کونین (ﷺ) کی صحبت کے حصول کی صورت میں کیا کیا برکات ظہور پزیر ہوئی ہوں گی؟... غارِ ثور میں سیدنا

صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کو خلوت میں یہ دونوں سعادتیں میسر تھیں۔ گویا کہ اس وقت آپ ایک ایسی عبادت میں مصروف تھے، جو پوری کائنات میں کسی کو نصیب نہ ہوئی، یہ شرف فقط آپ کے حصے میں آیا۔

مشکوۃ (باب مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ)) بحوالہ رزین میں ہے، حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے، ''میں چاہتا ہوں کہ میرے سارے اعمال، ابوبکر کے ایک دن اور ایک رات کے اعمال کی مثل ہوتے۔ رات تو وہ کہ جس میں آپ رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ غار کی طرف چلے۔ جب قریب پہنچے تو عرض گزار ہوئے، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! واللہ، آپ اس وقت اس میں داخل نہ ہوں گے، جب تک کہ میں اس میں داخل نہ ہو جاؤں، تاکہ اگر اس میں کوئی تکلیف دینے والی چیز ہو، تو اس کی تکلیف آپ کی بجائے مجھے پہنچے۔ پس آپ اندر تشریف لے گئے اور اسے صاف کیا۔ اُس میں کچھ سوراخ تھے، انہیں اپنی ازار پھاڑ کر بند کیا، لیکن دو سوراخ پھر بھی باقی رہ گئے، تو آپ نے ان پر اپنی ایڑی رکھ دی۔ پھر رسول اللہ (ﷺ) کو اندر آنے کی درخواست کی۔ رسول اللہ (ﷺ) اندر تشریف لا کر انؓ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ ان سوراخوں میں سے ایک سے کسی چیز نے آپ کے پیر میں ڈنگ مارا، جس کی تکلیف کے باعث آنکھوں سے آنسو نکل کر رخ مبارک پر گرے۔ رسول اللہ (ﷺ) کی آنکھ کھل گئی، وجہ دریافت کی، آپ نے بتا دی۔ رسول اللہ (ﷺ) نے اپنا لعابِ دہن اقدس اس مقام پر لگایا، جس سے تکلیف جاتی رہی۔ لیکن بعد میں اس زہر نے عود کیا اور اسی کے سبب آپ کی وفات ہوئی...اور...

دن وہ کہ جب رسول اللہ (ﷺ) کی وفات کے بعد بعض اہل عرب مرتد

ہو گئے اور زکوٰۃ دینے کا انکار کر بیٹھے، تو آپ نے فرمایا، "لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالاً لَجَاهَدْتُهُمْ عَلَيْهِ ۔یعنی اگر وہ اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی رسی بھی منع کریں گے، تو میں اس کے لئے ان سے جہاد کروں گا۔"...میں نے عرض کی، "اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! لوگوں سے الفت اور نرمی کا سلوک کیجئے۔"...آپ نے مجھ سے فرمایا، "أَ جَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ ۔یعنی کیا تم زمانۂ جاہلیت میں بہادر اور اسلام میں بزدل ہو گئے؟ وَإِنَّهُ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَتَمَّ الدِّيْنُ أَ يَنْقُصُ وَأَنَا حَيٌّ؟. بے شک سلسلہ وحی منقطع ہو گیا اور دین مکمل ہو چکا، تو کیا یہ نقص کا شکار ہو جائے گا، حالانکہ میں (ابھی) زندہ ہوں؟....."

صحبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برکتیں

☆ حضرت براٗ بن عازب (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے (میرے والد) حضرت عازب سے تیرہ درہم میں ایک کجاوہ خریدا۔ حضرت ابو بکر نے حضرت عازب سے کہا کہ "براٗ سے کہیئے کہ کجاوہ کو اٹھا کر میرے ساتھ لے چلے۔" وہ کہنے لگے کہ "یہ اس وقت تک نہیں جائے گا، جب تک آپ ہمیں یہ نہیں بتائیں گے کہ آپ نے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا بندوبست کیا، جبکہ آپ مکہ مکرمہ سے نکلے اور مشرکین آپ کی تلاش میں تھے؟".....

انہوں نے بتایا کہ "جب ہم نے مکہ معظّمہ سے کوچ کیا، تو ایک رات اور ایک دن چلتے رہے، یہاں تک کہ ٹھیک دوپہر کا وقت ہو گیا۔ پس میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی کہ کوئی سایہ نظر آئے، تو اس کے نیچے ٹھہریں۔ پس ایک پتھر کے پاس آئے، تو اس کا کچھ سایہ دیکھا۔ پس میں نے اس جگہ کو ہموار کر کے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آرام کے

لئے وہاں فرش بچھا دیا۔ پھر عرض گزار ہوا، "یا نبی اللہ (ﷺ)! آرام فرمائیے۔"... پس نبی کریم (ﷺ) آرام فرمانے لگے۔ پھر میں یہ دیکھنے کے لئے ادھر ادھر چل دیا کہ کوئی آدمی نظر آئے۔ اسی اثنا میں ایک چرواہا، اپنی بکریوں کو ہانک کر اسی پتھر کی جانب آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ بھی اس پتھر سے وہی کچھ چاہتا تھا، جو ہم نے چاہا۔ میں نے اس سے پوچھا، "اے لڑکے! تم کس کے ہو؟"... اس نے جواب دیا، "فلاں قریشی کا۔"... جب اس نے نام بتایا، تو میں نے پہچان لیا۔

پھر میں نے دریافت کیا، "کیا تیری بکریوں میں دودھ ہے؟"... اس نے اثبات میں جواب دیا، تو میں نے کہا، "کیا تو دودھ دوہے گا؟"... اس نے جواب دیا، "ہاں۔"... میں نے اس سے دوہنے کے لئے کہا، تو اس نے اپنے ریوڑ سے ایک بکری کو پکڑ کر اس کی ٹانگیں باندھ دیں۔ پھر اس نے ایک برتن میں دودھ نکال دیا۔ میں نے رسول اللہ (ﷺ) کی خاطر ایک چھاگل رکھی ہوئی تھی، جس کے منہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا۔ میں نے دودھ میں پانی ڈالا، جس سے وہ نیچے تک ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر میں اسے لے کر، نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور آپ کو بیدار پایا۔ میں عرض گزار ہوا، "یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! دودھ نوش فرمالیجئے۔"... آپ نے نوش فرمایا اور بہت خوش ہوئے۔ پھر میں عرض گزار ہوا، "یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! چلنے کا وقت ہو گیا ہے۔"... فرمایا، "بہت اچھا۔"...

پس ہم دونوں چل دیئے اور قوم ہماری تلاش میں سرگرداں تھی، لیکن کسی نے بھی ہمارا کھوج نہ پایا، سوائے **سُراقہ بن مالک جُعشُم** کے جو گھوڑے پر سوار ہو کر آ رہا تھا۔ میں نے عرض کی، "یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! یہ ہماری تلاش میں آ پہنچا ہے۔

"...فرمایا،" لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۔ کوئی غم نہ کر، بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔"

فائدہ:۔

اللہ تعالیٰ کی جو تائید ونصرت، رحمتِ کونین (ﷺ) کو حاصل تھی، صحبتِ رسول (ﷺ) کی برکت سے صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) بھی اس کے مستحق ہو گئے تھے، جیسا کہ قول رسول (ﷺ) سے ظاہر ہے۔ اس سے مرتبہ صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی عظمت کا اندازہ کرنا دشوار نہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کا ناصر ومددگار

☆ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے غار میں نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں عرض کی کہ "یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! اگر کسی کافر نے اپنے قدموں کی طرف نظر کی، تو وہ ضرور ہمیں دیکھ لے گا۔"...پس آپ نے ارشاد فرمایا، "مَا ظَنُّکَ یَا اَبَا بَکْرٍ بِاثْنَیْنِ اَللّٰہُ ثَالِثُھُمَا ۔ یعنی اے ابوبکر! ان دو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے، جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہو۔"

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ)......)

فائدہ:۔

اللہ عزوجل کے ساتھ ہونے کا مطلب ہے کہ اللہ ہم دونوں کا ناصر ومددگار ہے۔ (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۳۸۸)

سب سے زیادہ علم والے

☆ حضرت ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے

لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، "اِنَّ اللّٰہَ خَیَّرَ عَبْدًا بَیْنَ الدُّنْیَا وَمَا بَیْنَ عِنْدَہٗ فَاخْتَارَ ذٰلِکَ الْعَبْدُ مَا عِنْدَ اللّٰہِ ۔یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ جو کچھ دنیا میں ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، ان دونوں میں سے ایک کو پسند کرے۔ پس اس بندے نے اسے پسند کرلیا، جو اللہ کے پاس ہے۔"...

(راوی کا بیان ہے کہ) یہ سن کر حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) رونے لگے۔ ہمیں ان کے رونے کے سبب تعجب ہوا، کیونکہ رسول اللہ (ﷺ) تو کسی ایسے شخص کے متعلق خبر دے رہے تھے کہ جسے اختیار دیا گیا ہے (تو اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ لیکن، جب ہمیں معلوم ہوا کہ جسے اختیار دیا گیا تھا وہ تو خود رسول اللہ (ﷺ) تھے، تو ہم پر واضح ہو گیا کہ) ابو بکر ہم میں سب سے زیادہ علم والے ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا، "اِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَیَّ فِی صُحْبَتِہٖ وَمَالِہٖ اَبَا بَکْرٍ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلاً غَیْرَ رَبِّیْ لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ وَلٰکِنْ اِخُوَّۃُ الْاِسْلَامِ وَمُوَدَّتُہٗ لَا یَبْقَیَنَّ فِی الْمَسْجِدِ بَابٌ اِلَّا سُدَّ اِلَّا بَابُ اَبِیْ بَکْرٍ ۔یعنی بیشک اپنی صحبت اور اپنے مال کے ساتھ، مجھ پر سب سے زیادہ احسان، ابو بکر نے کیا ہے۔ اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل بناتا، تو بیشک وہ ابو بکر ہوتے۔ لیکن (ان کے ساتھ میرا) اسلامی اخوت اور دوستی کا رشتہ (تو موجود ہے۔) آئندہ، سوائے ابو بکر کے، مسجد میں کسی کا دروازہ ہرگز کھلا نہ رکھا جائے۔

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ)......)

فائدہ:۔

☆ نسائی شریف میں ہے، "اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (ﷺ) بِسَدِّ الْاَبْوَابِ الشَّارِعَۃِ فِی الْمَسْجِدِ وَتَرَکَ بَابَ عَلِیٍّ ۔یعنی رسول اللہ (ﷺ) نے ان

دروازوں کو بند کرنے کا حکم فرمایا، جس کا راستہ مسجد میں سے جاتا تھا اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا دروازہ چھوڑ دیا۔'' فضائل صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے تحت گزرنے والی حدیث پاک اور اس میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

اس تعارض کو رفع فرماتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں کہ ''حدیثِ علی (رضی اللہ عنہ) میں دروازے سے مراد حقیقی دروازہ ہے اور حدیثِ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) میں باب سے مراد روشن دان ہے، جیسا کہ بعض احادیثِ کریمہ میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ امام طحاوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں، ''حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے گھر کا دروازہ خارج مسجد تھا، جبکہ روشن دان اندرونی جانب تھا اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے گھر کا دروازہ فقط مسجد کے اندر ہی تھا۔''

☆ خلیل کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے، ''اَلْخَلِیْلُ الْمُنْقَطِعُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ انْقِطَاعِہٖ اِلَیْہِ وَمَحَبَّتِہٖ لَہٗ اخْتِلَالٌ۔ خلیل وہ ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ سے ایسا خاص تعلق ہو کہ اس تعلق و محبتِ الٰہی میں کوئی اختلال نہ ہو۔''

(عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۳۸۹)

تعریف سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو خلیل نہ فرمانا کس وجہ سے تھا۔

☆ علامہ ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں، ''فِیْہِ اِشَارَۃٌ قَوِیَّۃٌ اِلَی اسْتِحْقَاقِہٖ لِلْخِلَافَۃِ۔ یعنی رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بقیہ تمام دروازوں کو بند کرنے کے حکم فرمانے میں، صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کی جانب قوی اشارہ ہے۔.... مزید فرماتے ہیں، ''وَقَدِ ادَّعٰی بَعْضُھُمْ اَنَّ الْبَابَ کِنَایَۃٌ عَنِ الْخِلَافَۃِ

وَالْاَمْرَ بِالسَّدِّ كِنَايَةٌ عَنْ طَلَبِهَا كَانَّهُ قَالَ لَا يَطْلُبَنَّ اَحَدٌ نِ الْخِلَافَةَ اِلَّا اَبُوْبَكْرٍ فَاِنَّهُ لَا حَرَجَ عَلَيْهِ طَلَبَهَا ۔یعنی علماء کرام (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) نے دعویٰ کیا کہ حدیث پاک میں دروازہ، خلافت سے کنایہ ہے..اور..دروازوں کو بند کرنے میں خلافت کو طلب کرنے سے کنایہ ہے۔گویا کہ آپ نے ارشاد فرمایا، ''سوائے ابوبکر کے کوئی اور خلافت کو ہرگز نہ طلب کرے، کیونکہ صدیق اکبر کے اسے طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔'' (فتح الباری۔جلد ۷۔صفحہ ۱۷)

دوسرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) پر آپ کی ترجیح

☆ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ ''كُنَّا نُخَيِّرُ بَيْنَ النَّاسِ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) فَنُخَيِّرُ اَبَا بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ (رضی اللہ عنہم)۔یعنی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ مبارکہ میں جب ہم صحابہ کرام کے درمیان کسی کو ترجیح دیتے، تو حضرت ابوبکر کو (سب پر) ترجیح دیا کرتے، پھر حضرت عمر بن خطاب کو، پھر حضرت عثمان بن عفان کو (رضی اللہ عنہم)۔''

(بخاری شریف۔باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں باہم ایک کو دوسرے پر فضیلت دی جاتی تھی ،لھذا ثابت ہوا کہ یہ عمل سنتِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہے۔نیز اس عمل کو رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا بھی حاصل ہے جیسا کہ طبرانی میں یہی حدیث ان الفاظ میں منقول ہے، ''كُنَّا نَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) حَيٌّ. اَفْضَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ ،يَسْمَعُ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) فَلَا يُنْكِرُهُ ۔یعنی ہم کہا

کرتے تھے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ظاہری طور پر جلوہ افروز ہیں۔ اس امت میں سے افضل ترین ابوبکر وعمر وعثمان (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری اس بات کو سماعت فرماتے، لیکن ہمیں منع نہ کرتے تھے۔''

خلیل بننے کے مستحق

☆ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ''لَوْ كُنْتَ مُتَّخِذًا مِنْ اُمَّتِيْ خَلِيْلاً لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ وَلٰكِنْ اَخِيْ وَصَاحِبِيْ۔ یعنی اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں۔'' (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آنا

☆ حضرت جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں ایک عورت حاضر ہوئی، آپ نے اسے کسی روز آنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ اس نے عرض کی کہ ''أَرَأَيْتُ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْكَ؟ ۔ یعنی اگر میں پھر آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں؟.... (راوی فرماتے ہیں) گویا کہ اس نے اس سے وفاتِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مراد لی۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ''اِنْ لَمْ تَجِدِيْنِيْ فَأْتِيْ اَبَا بَكْرٍ۔ یعنی اگر تم مجھے نہ پاؤ، تو ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو جانا۔''

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

علامہ بدرالدین عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس حدیث کے تحت ارشاد فرماتے ہیں، ''اِنَّ فِيْهِ اِشَارَةٌ اِلَى فَضْلِهٖ وَفِيْهِ اِشَارَةٌ اَيْضًا اِلٰى اَنَّهٗ هُوَالْخَلِيْفَةُ مِنْ بَعْدِهٖ ۔

یعنی اس حدیثِ پاک میں سیدنا ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کی جانب اشارہ ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہی خلیفہ ہوں گے۔" (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۳۹۴)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اولین صحابی

☆ حضرت عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے (وہ وقت بھی) دیکھا کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ پانچ غلاموں، دو عورتوں اور حضرت ابوبکر کے سوا اور کوئی نہ تھا۔" (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ....)

فائدہ:۔

علامہ بدرالدین عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) لکھتے ہیں، "مُطَابَقَتُهُ لِلتَّرْجَمَةِ مِنْ حَيْثُ اِنَّ فِيْ اَبِيْ بَكْرٍ فَضِيْلَةً خَاصَّةً لِسَبْقِهٖ فِي الْاِسْلَامِ حَيْثُ لَمْ يُسْلِمْ اَحَدٌ قَبْلَهُ مِنَ الرِّجَالِ الْاَحْرَارِ۔ یعنی اس حدیث کی، عنوان باب سے اس حیثیت سے موافقت ہے کہ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو قبول اسلام میں سبقت کے باعث ایک خاص فضیلت حاصل ہے، کیونکہ آزاد مردوں میں آپ سے قبل کوئی بھی ایمان نہ لایا تھا۔" (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۳۹۴)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کرنے والے

☆ حضرت ابو درداءؓ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر اپنے کپڑے کا کنارا پکڑے ہوئے حاضر ہوئے، یہاں تک کہ آپ کا گھٹنہ ظاہر ہوگیا۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "اَمَّا صَاحِبُكُمْ فَقَدْ غَامَرَ۔ یعنی تمھارے یہ ساتھی، کسی سے لڑ جھگڑ کر آ رہے ہیں۔" حضرت ابوبکر (رضی

اللہ عنہ) نے سلام کیا اور عرض گزار ہوئے کہ میرے اور عمر بن خطاب کے درمیان کچھ تکرار ہوئی، تو جلدی میں میرے منہ سے ایک بات نکل گئی، جس پر مجھے بعد میں ندامت ہوئی اور میں نے ان سے معافی مانگی، لیکن انھوں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا، لھذا میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔''

رسول اللہ (ﷺ) نے تین مرتبہ فرمایا، ''یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکَ یَا اَبَا بَکْرٍ۔ یعنی اے ابو بکر! اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔'' اس کے بعد حضرت عمر نادم ہو کر حضرت ابو بکر کے گھر پر حاضر ہوئے اور ان کے بارے میں پوچھا۔ جواب ملا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ پس یہ بھی رسول اللہ (ﷺ) کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ اس وقت نبی کریم (ﷺ) کے پرنور چہرے کا رنگ بدل گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ابو بکر ڈر گئے اور گھٹنوں کے بل ہو کر دو مرتبہ عرض گزار ہوئے، ''وَاللّٰهِ اَنَا کُنْتُ اَظْلَمَ۔ یعنی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! خدا کی قسم مجھ سے بڑی زیادتی ہوئی ہے۔''

پس نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا، ''اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ اِلَیْکُمْ فَقُلْتُمْ کَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ صَدَقَ۔ یعنی بیشک جب اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا، تو تم لوگوں نے کہا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے، (لیکن) ابو بکر نے کہا کہ یہ سچ فرماتے ہیں۔ وَ وَاسَانِیْ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ۔ اور اپنی جان و مال سے میری مدد کی۔ پھر دو مرتبہ فرمایا، ''فَهَلْ اَنْتُمْ تَارِکُوْنِیْ صَاحِبِیْ؟۔ یعنی کیا تم میرے (ایسے) ساتھی کو چھوڑ دو گے؟.... (راوی فرماتے ہیں کہ) اس واقعے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو کسی کی جانب سے اذیت نہ پہنچی۔ (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ)......)

فائدہ:۔

رحمتِ عالم (ﷺ) کے چہرۂ انور کا رنگ تبدیل ہونے پر سیدنا ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کا خوف محسوس کرنا، اپنی ذات کی خاطر نہ تھا، بلکہ اس وجہ سے تھا کہ کہیں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سرکار (ﷺ) کی ناراضگی کا شکار نہ ہو جائیں۔ عمدۃ القاری میں ہے،

''اَشْفَقَ اَبُوْبَکْرٍ اَیْ حَتّٰی خَافَ اَبُوْبَکْرٍ اَنْ یَّکُوْنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ (ﷺ) اِلٰی عُمَرَ مَا یَکْرَہُ۔ یعنی حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے خوف محسوس کیا کہ رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے حضرت عمر کو کوئی سخت وعید نہ پہنچ جائے۔''

نیز آپ نے اپنی جانب زیادتی کی نسبت اس لئے فرمائی کہ دونوں حضرات کے درمیان ہونے والی گفتگو کی ابتداء آپ کی جانب سے ہوئی تھی۔ عمدۃ القاری میں اسی مقام پر ہے، ''وَاِنَّمَا قَالَ ذٰلِکَ لِاَنَّہٗ کَانَ الْبَادِئَ۔ یعنی آپ نے یہ اس لئے کہا تھا کہ آپ ابتداء فرمانے والے تھے۔'' (جلد ۱۱۔ص ۳۹۶)

مَردوں میں سب سے زیادہ محبوب

☆ حضرت عمرو ابن العاص (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) نے مجھے غزوہ ذات السلاسل کا امیر لشکر بنا کر روانہ فرمایا۔ جب میں آپ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا، تو عرض کی، ''اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ؟''... یعنی لوگوں میں سے آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟''... فرمایا، ''عَائِشَۃُ۔'' میں نے پھر عرض کی ''مِنَ الرِّجَالِ؟... یعنی مردوں میں سے؟''... فرمایا، ''اَبُوْھَا۔ یعنی ان کے والد۔'' میں نے پھر عرض کی، ''ثُمَّ مَنْ؟ ۔ پھر کون؟ فرمایا، ''عُمَرُ بْنُ خَطَّابٍ۔''... اور ان کے بعد چند دوسرے حضرات کو شمار فرمایا۔'' (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ)......)

فائدہ:۔

مذکورہ غزوہ ہجرت کے آٹھویں سال میں وقوع پزیر ہوا۔ حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کی جانب سے یہ سوال اس سبب سے تھا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہ) میں سیدنا ابوبکر وعمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کے ہونے کے باوجود سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لشکر کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا، چنانچہ آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شائد میرا مرتبہ بارگاہ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں شیخین کریمین سے زیادہ ہے۔ اسی خیال کی تصدیق وتوثیق کی خاطر آپ نے سوال فرمایا۔

جن چند دوسرے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا ذکر کیا گیا، ان میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (رضی اللہ عنہ) کا ہونا بھی محتمل ہے، کیونکہ ترمذی میں ہے، ''سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا گیا کہ اصحاب میں سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟...فرمایا ''ابوبکر (رضی اللہ عنہ)۔'' پوچھا گیا، ''پھر کون؟''...فرمایا ''عمر۔'' دریافت کیا گیا، ''پھر کون؟''...فرمایا ابوعبیدہ بن الجراح (رضی اللہ عنہ)۔'' سوال کیا گیا، ''پھر کون؟''...تو آپ نے سکوت اختیار فرمایا۔ (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۳۹۸)

سرکارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہم خیال

☆ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک چرواہا اپنے بکریوں کے ریوڑ میں تھا کہ بھیڑیئے نے حملہ کیا اور ایک بکری کو پکڑ کر لے گیا۔ چرواہے نے بکری کو اس سے چھڑا لیا۔ پس بھیڑیا اسے مخاطب کر کے کہنے لگا، ''اس چیر پھاڑ کے دن ان کی حفاظت کون کرے گا، جس روز میرے سوا ان کا چرواہا، کوئی اور نہ ہوگا؟''...اسی طرح ایک شخص بیل

کو ہانک کر لے جا رہا تھا کہ پھر اس پر سوار ہو گیا۔ بیل نے اسے مخاطب کر کے کہا کہ "مجھے اس لئے تو پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ میں تو کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔" لوگوں نے تعجب سے سبحان اللہ کہا۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِذَالِکَ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ ۔ میں ان واقعات پر یقین رکھتا ہوں اور ابوبکر و عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہما) بھی۔" (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم).......)

فائدہ:۔

ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے، وَمَا هُمَّا ثَمَّ۔ یعنی اور آپ دونوں وہاں موجود نہیں تھے۔ ان کی غیر موجودگی کے باوجود رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ان کے بارے میں مذکورہ جملہ ارشاد فرمانے سے متعلق امام نووی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں، "قَالَ الْعُلَمَاءُ اِنَّمَا قَالَ ذٰلِکَ ثِقَةً بِهِمَا لِعِلْمِهٖ بِصِدْقِ اِیْمَانِهِمَا وَقُوَّةِ یَقِیْنِهِمَا وَکَمَالِ مَعْرِفَتِهِمَا ۔ یعنی علماء نے ارشاد فرمایا کہ "رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ان کے بارے میں یہ فرمانا، اپنے علم کی برکت سے، ان دو حضرات پر، ان کے صدق ایمان، قوتِ یقین اور کمال معرفت پر مطلع ہونے کے سبب، کامل بھروسہ رکھنے کی وجہ سے تھا۔" (شرح صحیح مسلم للنووی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۷۴)

جنت کے تمام دروازوں سے دعوت

☆ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اشیاء میں سے کسی شے کا جوڑا خرچ کرے، تو اسے جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائے گا۔ اے عبداللہ! یہ باعثِ

فضیلت ہے۔ پھر جو اہل نماز میں سے ہوگا، اسے باب الصلوۃ سے بلایا جائے گا۔ جو اہل جہاد میں سے ہو، اسے باب الجہاد سے اور جو خیرات کرے گا، اسے باب الخیرات سے اور جو روزے رکھے گا، اسے باب الصیام یعنی باب الریان سے بلایا جائے گا۔"...

حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی، "مَا عَلٰی هٰذَا الَّذِیْ یُدْعٰی مِنْ تِلْکَ الْاَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ۔ یعنی جو اُن سارے دروازوں سے بلایا جائے، اسے تو خدشہ ہی کیا ہے۔ پھر عرض گزار ہوئے، "هَلْ یُدْعٰی مِنْهَا کُلِّهَا اَحَدٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)؟... یعنی یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! کیا کوئی ایسا بھی ہے جس کو تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟"... رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، "نَعَمْ وَاَرْجُوْ اَنْ تَکُوْنَ مِنْهُمْ یَا اَبَابَکْرٍ۔ ہاں اے ابوبکر! مجھے امید ہے کہ تم انہی لوگوں میں سے ہوگے۔" (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم).......)

فائدہ:۔

رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سیدنا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے لئے مذکورہ درجے کے بارے میں اظہارِ امید، شک وتردد کی بناء پر نہیں، بلکہ یہ اصول ہے کہ جب بھی رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اس طرح کا جملہ ارشاد فرمائیں گے، اس سے یقینی شے ہی مراد لی جائے گی۔

علامہ بدرالدین عینی (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) فرماتے ہیں، "رِجَاءُ النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) وَاقِعٌ مُحَقَّقٌ۔ یعنی نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امید، واقع اور تحقیق شدہ ہوتی ہے۔" (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۰۰)

خیرُ النّاس

☆ حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد محترم (حضرت علی) سے دریافت کیا کہ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ؟۔ یعنی رسول اللہ (ﷺ) کے بعد، لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟... فرمایا، ''ابوبکر (رضی اللہ عنہ)۔'' میں نے پوچھا، ''ثُمَّ مَنْ؟. پھر کون ہے؟''... فرمایا، ''ثُمَّ عُمَرُ ۔ یعنی پھر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔''... میں ڈرا کہ (اب) حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کا نام لیں گے۔ چنانچہ میں نے کہا، ''ثُمَّ اَنْتَ؟ یعنی پھر آپ ہیں؟.. فرمایا، مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ یعنی میں تو مسلمانوں میں ایک معمولی سا شخص ہوں۔''

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ)......)

فائدہ:۔

حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) کی والدہ خولہ بنت جعفر تھیں اور آپ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی لونڈی ہیں۔ آپ اپنی والدہ کی نسبت سے حنفیہ کہلاتے ہیں۔ والدہ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ **خولہ بنتِ جعفر بن قیس بن مسلمہ بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن دؤل بن حنیفۃ۔**

آپ کے ڈرنے کا سبب معاذ اللہ (عزوجل) حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) سے کسی بغض وعناد کی بناء پر نہ تھا، بلکہ والد سے فطری محبت کی وجہ سے آپ، ان کا مرتبہ شیخین کریمین کے بعد سننا چاہتے تھے۔ لھذا خوف محسوس کیا کہ کہیں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) عاجزی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے، اپنے بجائے عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کا نام نہ لیں دیں۔

حضرت علی وعثمان غنی (رضی اللہ عنہ) میں سے کون افضل ہے، اس میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ اکثر فضیلتِ عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کے قائل ہیں اور بعض حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو فوقیت دیتے ہیں۔ جبکہ امام مالک (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس بارے میں توقف فرماتے ہیں۔ (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۰۵)

جنت کی بشارت

☆ حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر میں وضو کیا، پھر باہر نکلا، تو میں نے ارادہ کیا کہ آج ضرور رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت کروں گا اور ضرور آپ کی بارگاہ میں حاضر رہوں گا۔ پس میں مسجد میں آیا اور نبی کریم (ﷺ) کے متعلق پوچھا۔ لوگوں نے ایک سمت کے بارے میں بتایا کہ آپ ادھر تشریف لے گئے ہیں۔ میں نقش قدم دیکھتا اور لوگوں سے پوچھتا ہوا چلتا رہا، یہاں تک کہ اریس کے کنویں پر جا پہنچا اور اس کے کھجور کے بنے ہوئے دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ جب رسول اللہ (ﷺ) قضائے حاجت سے فارغ ہوئے اور آپ نے وضو فرمالیا، تو میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گیا۔

آپ کنویں کی منڈیر پر تشریف فرما ہو گئے اور اپنی پنڈلیاں کھول کر انہیں کنوئیں میں لٹکا لیا۔ میں سلام کر کے دروازے کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور ارادہ کیا کہ آج میں ضرور رسول اللہ (ﷺ) کا دربان بن کر رہوں گا۔ پھر (کچھ دیر بعد) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا، ''کون ہے؟''...انہوں نے فرمایا، ''ابوبکر۔'' ...میں نے عرض کی کہ ''ذرا ٹھہریئے۔''...پھر میں جا کر عرض گزار ہوا، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! ابوبکر حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔''...فرمایا، ''اِئْذِنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ

بِـالْـجَنَّةِ ۔یعنی انہیں اجازت دے دواور انہیں جنت کی خوشخبری سناؤ۔" میں نے آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر سے کہا کہ اندر آ جائیے اور رسول خدا (ﷺ) آپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ پس حضرت ابوبکر آ کر رسول اللہ (ﷺ) کے دائیں جانب چبوترے پر بیٹھ گئے اور رسول اللہ (ﷺ) کی مثل اپنی پنڈلیاں کھول کر، ٹانگیں کنوئیں میں لٹکا لیں۔ میں واپس آ کر اپنی اسی جگہ بیٹھ گیا۔ میں اپنے بھائی کو وضو کرتے ہوئے چھوڑ آیا تھا اور وہ بھی میرے ساتھ آنا چاہتا تھا۔ میں نے سوچا، اگر اب اللہ تعالی کسی کو یہاں بھیجنے کے سلسلے میں کرم فرمائے، تو کاش! وہ میرے بھائی کو بھی ساتھ لیتا آئے۔

اسی اثنا میں کسی نے دروازے کو حرکت دی۔ میں نے پوچھا، "کون ہے؟"... جواب دیا کہ "عمر بن خطاب ہوں۔"... میں نے عرض کی، "ذرا ٹھہریئے۔"... پھر میں رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا سلام عرض کیا اور کہا، "حضرت عمر اجازت طلب کر رہے ہیں۔"... فرمایا، "اِئْـذِنْ لَـهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ ۔یعنی انہیں اجازت دو اور جنت کی بشارت سناؤ۔ میں انہیں بشارت سنا کر اندر لے آیا۔ آپ اندر تشریف لائے اور چبوترے پر رسول اللہ (ﷺ) کے بائیں جانب بیٹھ گئے اور اپنے دونوں پیر کنوئیں میں لٹکا لئے۔ پھر میں واپس آ کر بیٹھ گیا اور اپنے جی میں کہا کہ کاش! اللہ تعالی میرے بھائی کے ساتھ بھی بھلائی کا ارادہ فرمائے۔ پھر کسی نے دروازہ کو حرکت دی۔ میں نے پوچھا، "کون ہے؟"... جواب دیا، "عثمان بن عفان۔"... میں نے کہا، "ذرا ٹھہریئے۔"... پس میں رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو بتایا۔ فرمایا، "اِئْذِنْ لَـهُ وَبَشِّـرْهُ بِـالْـجَـنَّـةِ عَلٰی بَلْوٰی تُصِيْبُهٗ ۔یعنی انہیں اجازت دے دو اور جنت کی بشارت سناؤ اور ایک مصیبت انہیں پہنچے گی۔"... پس میں نے انہیں یہ بات بتائی۔ آپ

بھی اندر داخل ہوئے اور منڈیر کو بھرا ہوا دیکھ کر دوسری جانب بالمقابل جا بیٹھے۔"

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

اس حدیثِ پاک سے سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) پر فضیلت بخوبی واضح ہوئی، کیونکہ آپ رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیدھی جانب آ کر تشریف فرما ہوئے تھے۔

نیز معلوم ہوا کہ انسان کو چاہیئے کہ اپنے امام و مرشد کی دربانی کا شرف حاصل کرے، چاہے انہوں نے حکم فرمایا ہو یا نہیں۔

آخر میں رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مصیبت کا ذکر فرمانا، شہادتِ عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کی جانب اشارہ ہے۔ (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۱۰)

شجاعت و جاں نثاری

☆ حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے دریافت کیا کہ مشرکین نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ سب سے زیادہ برا سلوک کون سا کیا تھا؟"... انہوں نے جواب دیا کہ" میں نے دیکھا کہ عقبہ بن ابی معیط، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس، ان کے نماز ادا کرنے کے دوران آیا۔ اس نے آپ کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر سختی کے ساتھ گلا گھونٹنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر آئے اور اسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دور کر دیا۔ پھر فرمایا، "اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۔ یعنی کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو، جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور بے شک وہ تمہارے پاس، اپنے رب کی جانب سے

معجزے لے کر آیا ہے۔" (بخاری شریف۔باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ)......)

فائدہ:۔

اس حدیثِ پاک سے سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی جاں نثاری اور شجاعت کے اعتبار سے فضیلت ظاہر ہوئی۔ نیز مقام توجہ ہے کہ جب عام مسلمان پر آنے والی مصیبت کو دور کرنا، رحمت ورضائے الٰہی کے حصول کا موجب بن جاتا ہے، تو سید الانبیاء (ﷺ) سے اذیت کو دفع کرنا کس قدر باعثِ سعادت ہوگا؟......

صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں سے کوئی آپ کے برابر نہیں

☆حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں، "**كُنَّا فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ (ﷺ) لَا نَعْدِلُ بِاَبِيْ بَكْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ اَصْحَابَ النَّبِيِّ (ﷺ) لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ** ۔یعنی ہم نبی کریم (ﷺ) کے زمانہ مقدسہ میں کسی کو حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے برابر نہیں سمجھتے تھے، پھر حضرت عمر کے اور پھر حضرت عثمان کے۔ پھر ہم اصحابِ رسول (ﷺ) کو ایک دوسرے پر فضیلت دیئے بغیر چھوڑ دیا کرتے تھے۔" (بخاری شریف۔باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ)......)

فائدہ:۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک شیخین کے بعد حضرت عثمان غنی، اُن کے بعد حضرت علی، ان کے بعد عشرہ مبشرہ اور ان کے بعد بدر میں حاضر ہونے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) افضلیت کے حامل ہیں۔

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کا عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کے بعد فضیلت دینے

کوترک کرنے کا ذکر فرمانا، ممکن ہے کہ زمانہ نبوی (ﷺ) کے بعض حصے کے اعتبار سے ہو۔اس صورت میں بعد میں صحابہ میں باہم فضیلت کا قائل ہونا، اس قول سے متعارض نہیں ہوگا۔

خلافت کے حق دار

☆ ابن ابی ملیکہ (رحمۃ اللہ علیہ) بیان کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے سوال کیا گیا کہ "اگر رسول اللہ (ﷺ) کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے؟"....فرمایا ابوبکر کو۔"...عرض کی گئی، "حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے بعد کس کو؟"....فرمایا، "عمر کو۔" ....عرض کی گئی، "حضرت عمر کے بعد کس کو؟"....فرمایا، "ابوعبیدہ بن الجراح کو۔"..... یہاں تک فرمانے کے بعد آپ خاموش ہوگئیں۔

(مسلم۔باب من فضائل ابی بکر الصدیق (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے نزدیک صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کا مرتبہ، بقیہ تمام اصحابِ رسول (ﷺ) سے بڑھ کر ہے اور رسول اللہ (ﷺ) نے صراحۃً اپنی حیاتِ پاک میں کسی کو باقاعدہ خلیفہ نامزد نہیں فرمایا۔علامہ نووی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں، "**فِيْهِ دَلَالَةٌ لِاَهْلِ السُّنَّةِ اِنَّ خِلَافَةَ اَبِيْ بَكْرٍ لَيْسَتْ بِنَصٍّ مِّنَ النَّبِيِّ (ﷺ) عَلٰى خِلَافَتِهٖ صَرِيْحًا بَلْ اَجْمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَقْدَ الْخِلَافَةِ لَهٗ وَتَقْدِيْمَهٗ لِفَضِيْلَتِهٖ لَوْ كَانَ هُنَاكَ نَصٌّ عَلَيْهِ اَوْ عَلٰى غَيْرِهٖ لَمْ تَقَعِ الْمُنَازَعَةُ مِنَ الْاَنْصَارِ وَغَيْرِهِمْ اَوَّلاً**"۔اس حدیث پاک میں اہل سنت کے لئے اس بات پر دلالت موجود ہے کہ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی

خلافت ،رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے صراحۃً بیان کر دینے کی بناء پر نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے لئے عقدِ خلافت اور آپ کی فضیلت کے باعث آپ کے مقدم ہونے پر، اصحاب رسول (رضی اللہ عنھم) نے اجماع فرمایا۔ اگر وہاں آپ.. یا.. آپ کے علاوہ کسی شخص کی خلافت پر صریح حکم موجود ہوتا، تو انصار اور ان کے علاوہ لوگوں کے درمیان ابتداءً تنازع پیدا نہ ہوتا۔'' (شرح صحیح مسلم للنووی۔ جلد۲۔ صفحہ۲۷۳)

جنتیوں کے اوصاف والے

☆ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دریافت فرمایا، ''مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا؟۔ یعنی آج تم میں سے کس نے روزہ رکھا ہے؟''.... حضرت ابوبکر نے عرض کی، ''میں نے۔''.... پھر فرمایا، ''فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً؟ ۔آج تم میں سے کس نے جنازے میں شرکت کی؟''.... حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی ،''میں نے۔''.... پھر ارشاد ہوا، ''مَنْ اَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِينًا ؟ ۔آج تم میں سے کس نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟''.... حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی ،''میں نے۔''.... پھر سوال فرمایا ''فَمَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيضًا؟ ۔یعنی تم میں سے کون ہے، جس نے آج کسی مریض کی عیادت کی؟''.... سیدنا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی، ''میں نے۔''.... ارشاد فرمایا، ''مَا اجْتَمَعْنَ فِي امْرِىءٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔ یعنی یہ اوصاف فقط اسی شخص میں جمع ہوں گے، جو جنتی ہوگا۔'' (مسلم۔ باب من فضائل ابی بکر الصدیق (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

سبحان اللہ! رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سوال فرمانا اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا

اقرار میں جواب کا اہتمام فرمانا ثابت کرتا ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی کرم نوازی تھی، جس کے باعث زبان رسول (ﷺ) سے دنیا میں ہی جنت کی بشارت سے سرفراز فرمائے گئے۔

علامہ نووی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نقل فرماتے ہیں، "قَالَ الْقَاضِیُ مَعْنَاهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ بِلاَ مُحَاسَبَةٍ وَلاَ مُجَازَاةٍ عَلَی قَبِیْحِ الْاَعْمَالِ وَاِلَّا فَمُجَرَّدُ الْاِیْمَانِ یَقْتَضِیُ دُخُوْلَ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ اللّٰهِ۔ یعنی قاضی فرماتے ہیں کہ "اس کا مطلب یہ ہے ایسا شخص بلاحساب وکتاب داخل جنت ہوگا اور اس کے اعمال قبیحہ پر گرفت نہ ہوگی، ورنہ تو محض ایمان ہی، بفضل الٰہی دخول جنت کا تقاضا کرتا ہے۔" (شرح صحیح مسلم للنووی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۷۴)...

یعنی اگر دخول جنت کی بشارت ہی مقصود ہوتی، تو ان اعمال کا ذکر نہ کیا جاتا، کیونکہ اس کے لئے تو فقط ایمان ہی کافی ہے، ان اعمال کا ذکر اللہ تعالیٰ کی جانب سے زیادتی انعام کی خبر دینے کی غرض سے تھا۔

آپ کی دوسروں پر تقدیم

☆ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کہ رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے مرض میں مجھ سے فرمایا، "اُدْعِیْ لِیْ اَبَا بَكْرٍ اَبَاكَ وَاَخَاكَ حَتّٰی اَكْتُبَ كِتَابًا فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّتَمَنّٰی مُتَمَنٍ وَیَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا وَلاَ یَابَی اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَكْرٍ۔ اپنے ابا جان ابوبکر اور اپنے بھائی (یعنی عبدالرحمٰن) کو میرے پاس بلاؤ، تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں۔ مجھے ڈر ہے کہ (عدم کتابت کی صورت میں) کوئی تمنا کرنے والا (خلافت کی) تمنا کرے گا اور (اور کوئی خلافت کی تمنا کرنیوالوں میں سے) کہنے والا کہے گا کہ

وہ میں ہوں، جب کہ اللہ تعالی اور مسلمان فقط ابوبکر کو ہی تسلیم کریں گے۔"

(مشکوۃ۔ باب مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ) بحوالہ مسلم)

فائدہ:۔

مرقات شرح مشکوۃ میں ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس حدیث پاک کے تحت ارشاد فرماتے ہیں،

"**هٰذَا دَلِيلٌ لِاَهْلِ السُّنَّةِ عَلٰى اَنَّ خِلَافَةَ اَبِىْ بَكْرٍ** (رضی اللہ عنہ) **لَيْسَتْ بِنَصٍّ مِنَ النَّبِيِّ** (صلی اللہ علیہ وسلم) **صَرِيْحًا بَلْ اَجْمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَلٰى عَقْدِ الْخِلَافَةِ لَهٗ وَتَقْدِيْمِهٖ لِفَضْلِهٖ**۔ یعنی یہ حدیث پاک اہل سنت و جماعت کے لئے اس بات پر دلیل ہے کہ خلافتِ ابوبکر (رضی اللہ عنہ)، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بیان صریح سے ثابت نہیں، بلکہ آپ کے لئے عہدۂ خلافت پر صحابہ کرام نے اجماع فرمایا اور آپ کے اپنی فضیلت کے باعث، دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) پر مقدم ہونے پر بھی دلیل ہے۔"

(جلد ۱۱۔ صفحہ ۲۸۴)

سب سے پہلے جنت میں دخول

☆ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "میرے پاس جبرئیل آئے، تو میرا ہاتھ پکڑا تا کہ مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھائیں جس سے میری امت داخل ہوگی۔" حضرت ابوبکر نے عرض کی، "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کاش، میں آپ کے ساتھ ہوتا، تا کہ اس دروازے کو دیکھتا۔" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "**اَمَا اِنَّكَ يَا اَبَا بَكْرٍ! اَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ** ۔اے ابوبکر! بے شک میری امت میں سے تم پہلے شخص ہو، جو جنت میں داخل ہو گے۔"

(مشکوۃ۔باب مناقب ابی بکر بحوالہ ابوداؤد)

فائدہ:۔

ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس کے تحت فرماتے ہیں، ''وَفِیْهِ دَلِیْلٌ اَنَّهُ اَفْضَلُ الْاُمَّةِ وَاِلَّا لَمَا سَبَقَهُمْ فِیْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ۔ یعنی اس حدیثِ پاک میں سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے امت میں سے سب سے افضل ہونے پر دلیل ہے، ورنہ یقیناً آپ دخول جنت میں ان سے سبقت نہ لے جاتے۔'' (مرقاۃ۔جلد۱۱۔صفحہ۲۸۸)

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی گواہی

☆ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے فرماتے ہیں، ''اَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُنَا وَخَیْرُنَا وَاَحَبُّنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) ۔ یعنی ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ہمارے سردار، ہم میں سب سے بہتر اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم سب سے زیادہ محبوب تھے۔

(ترمذی۔مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو حسب ونسب کے اعتبار سے سرداری، معرفت وکسب کی رو سے افضلیت اور حاضر وغائب، دونوں صورتوں میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔

(مرقاۃ۔جلد۱۱۔صفحہ۲۸۶)

اعلیٰ درجات والے

☆ حضرت ابوسعید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ''اعلیٰ درجات والوں کو نچلے درجے والے ایسے دیکھیں گے، جیسے تم آسمان کے افق میں

طلوع ہونے والے ستاروں کو دیکھتے ہو، **وَاِنَّ اَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ مِنْهُمْ** اور ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) بھی ان ہی میں سے ہیں۔" (ترمذی۔ مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس حدیثِ پاک سے ان دو حضراتِ قدسیہ کا جنتی اور اعلیٰ درجات کا حامل ہونا ثابت ہوا۔

آپ کی خدمات کا اعتراف

☆ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "**مَا لِیْ اَحَدٌ عِنْدَنَا یَدًا اِلَّا وَقَدْ کَافَیْنَاهُ مَاخَلَا اَبَابَکْرٍ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا یَدًا یُکَافِیْهِ اللّٰهُ بِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ** ۔یعنی ہم نے ابوبکر کے سوا سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا۔ بے شک ان کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن خود عطا فرمائے گا۔ **وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ** ۔اور کسی کے مال نے ہمیں اتنا نفع نہیں پہنچایا، جتنا ابوبکر کے مال نے دیا۔" (ترمذی۔ مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا، ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی خدمتوں کو احسان سے تعبیر فرمانا، تعلیم امت کے لئے اعلیٰ درجے کی عاجزی وانکساری کا اظہار ہے، کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی کو اپنی خدمت کے لئے مقرر فرمالینا، خود اس شخص پر رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا احسان عظیم ہے۔ کیونکہ یہ خدمات، درجات کی بلندی اور بروزِ قیامت، بارگاہِ الٰہی سے حصول انعامات کا سبب عظیم واقع ہوں گی۔

احمد وابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مال کے

نفع پہنچانے والی بات ارشاد فرمائی، تو صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) رونے لگے اور عرض کی، ''مَا اَنَا وَمَالِیْ اِلَّا لَکَ ۔یعنی یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں اور میرا مال، آپ ہی کے لئے تو ہے۔''

اور ابو حاتم نے سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کیا کہ، ''اَنْفَقَ اَبُوْبَکْرٍ عَلَی النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) اَرْبَعِیْنَ اَلْفًا ۔یعنی حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر چالیس ہزار خرچ کئے۔''

سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آپ کا اُنس

☆حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، ''نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) مہاجرین و انصار صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی مجلس میں تشریف لاتے، حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) بھی ان میں ہوتے۔ شفیع محشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب، ان دوحضرات کے علاوہ کوئی بھی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ کر پاتا، لیکن حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما)، حضور کی طرف اور حضور ان کی طرف دیکھتے اور مسکراتے۔'' (ترمذی۔مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان دو حضرات کو بارگاہِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں خصوصی قرب واہمیت حاصل تھی۔ نیز رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ان کی جانب مسکراتے ہوئے التفات فرمانا، ان نفوس قدسیہ کی باہمی الفت ومحبت پر دلالت کرتا ہے۔

غار اور حوض کے ساتھی

☆حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے، رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا، ''اِنَّ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ وَصَاحِبِیْ عَلَی

اَلْحَوْضِ ۔تم میرے غار اور حوض کے ساتھی ہو۔" (ترمذی۔مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

غار سے مراد غارِ ثور ہے، جس میں دوران ہجرت دشمنوں سے محفوظ رہنے کی غرض سے مختصر قیام فرمایا تھا۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، "**ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِی الْغَارِ اِذْیَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا** . صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے یار سے فرماتے تھے، غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (پ۱۰۔توبہ۔۴۰)۔"...

اس مقام پر ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں، "**فَالْمَعْنٰی اِنَّ صَاحِبِیَ الْمَخْصُوْصِ حِیْنَئِذٍ اَوْاِنَّ صَاحِبِیْ بِشَھَادَۃِ اللّٰہِ اِذْ اَجْمَعَ الْمُفَسِّرُوْنَ عَلٰی اَنَّ الْمُرَادَ بِصَاحِبِہٖ فِی الْآیَۃِ ھُوَ اَبُوْبَکْرٍ وَقَدْ قَالُوْا مَنْ اَنْکَرَ صُحْبَۃَ اَبِیْ بَکْرٍ کَفَرَ لِاَنَّہٗ اَنْکَرَ النَّصَّ الْجَلِیَّ** ۔یعنی پس قول رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطلب یہ ہے کہ تم اس (غار میں موجودگی کے) وقت میرے مخصوص ساتھی تھے..یا..اللہ تعالیٰ کی گواہی کی بناء پر میرے ساتھی ہو۔اسی لئے مفسرین کرام (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) نے اس بات پر اتفاق فرمایا کہ آیتِ پاک میں **لِصَاحِبِہٖ** سے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہی مراد ہیں..اور..انہوں نے فرمایا کہ جس نے ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے صحابی ہونے کا انکار کیا، وہ کافر ہو گیا، اس لئے کہ اس نے نص جلی کا انکار کیا۔"

(مرقاۃ۔جلد۱۱۔صفحہ۲۸۶)......

اور ساتھی ہونے سے مراد خصوصی صحبت ہے، جو فقط سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کو حاصل ہوئی اور کوئی اس سعادت میں سے حصہ حاصل نہ کر سکا۔یونہی حوض پر

ساتھی سے مراد بھی خصوصی قرب ووصال ہے۔

آنکھ اور کان کی مثل

☆ حضرت عبداللہ بن حطب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کو دیکھ کر فرمایا "هٰذَانِ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ۔ یعنی یہ دونوں کان اور آنکھ (کی مثل) ہیں۔" (ترمذی۔ مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

یعنی جس طرح پورے جسم میں کان اور آنکھ کو اہم ترین عضو ہونے کی بناء پر عزت وشرف حاصل ہے، اسی طرح مسلمانوں میں آپ دونوں حضرات کو عطا کیا گیا ہے۔

امامت کے حق دار

☆ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ۔ یعنی ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے والد جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے، تو رقت کے باعث لوگوں کو نہ سنا سکیں گے۔ آپ عمر (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیجئے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ نے پھر فرمایا، "مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ۔ ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔"

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں، "میں نے حضرت حفصہ (رضی اللہ عنہا) سے کہا، آپ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کریں کہ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے، تو رونے کے سبب لوگوں کو (کچھ) نہ سنا سکیں گے۔ لھذا آپ

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیجئے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ بی بی حفصہ نے ایسا ہی کیا، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "اِنَّكُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ۔ تم تو یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے زمانے والی عورتوں کی مثل ہو، ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" (ترمذی۔ مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس حدیثِ کریمہ سے سیدنا صدیق اکبر کی تمام اصحابِ رسول (رضی اللہ عنہم) پر فضیلت وبزرگی ظاہر ہوئی۔ کیونکہ جب کسی مقام پر کئی حضرات مستحق امامت جمع ہو جائیں، تو فوقیت کا معیار، اس شخص کی ذات میں موجود کمالات وفضائل کو قرار دیا جاتا ہے۔ جس شخص کی ذات، جتنی زیادہ خوبیوں کی حامل ہوگی، وہ اسی قدر زیادہ مستحق امامت ہوتا چلا جائے گا۔ جیسا کہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ لھذا معلوم ہوا کہ سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی ذاتِ کریمہ، دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے مقابلے میں خوبیوں اور کمالات کے اعتبار سے فوقیت وبڑائی رکھتی ہے، تبھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آپ کو سب سے مقدم فرمایا۔

امامت میں آپ کی تقدیم

☆ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "لَا يَنْبَغِيْ لِقَوْمٍ فِيْهِمْ اَبُوْبَكْرٍ اَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهٗ۔ یعنی جس قوم میں ابوبکر موجود ہوں، تو ان کے لئے مناسب نہیں کہ ابوبکر کے علاوہ کوئی اور ان کی امامت کروائے۔" (ترمذی۔ مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس حدیثِ پاک سے بھی سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی تمام صحابہ کرام پر فضیلت واضح ہوئی۔ نیز خلافت کے معاملے میں آپ کا سب پر مقدم ہونا بھی معلوم ہوا ، کیونکہ جب دینی معاملے میں رسول اللہ (رضی اللہ عنہ) نے آپ کو آگے رکھا، تو دنیوی معاملے میں آپ کی تقدیم بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے، ''قَدَّمَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ اَمْرِ دِیْنِنَا فَمَنِ الَّذِیْ یُؤَخِّرُکَ فِیْ دُنْیَانَا۔ یعنی رسول اللہ (ﷺ) نے آپ کو ہمارے دینی معاملے میں مقدم فرمایا، تو کون ہے، جو ہمارے دنیوی امر میں آپ کو مؤخر کر سکے؟....''

نیکیوں میں سب پر سبقت

☆ حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے فرماتے ہیں، ''رسول اکرم (ﷺ) نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم فرمایا، اتفاق سے اس وقت میرے پاس مال تھا۔ میں نے سوچا، اگر میں حضرتِ ابوبکر سے کسی دن سبقت لے جاسکتا ہوں، تو آج لے جاؤں گا۔ چنانچہ میں نصف مال لے کر حاضر خدمت ہوا۔ رسول اکرم (ﷺ) نے دریافت فرمایا، ''مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ؟ ۔یعنی اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟''... میں عرض کیا، ''اسی حاضر کی مثل۔'' اتنے میں حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اپنا سارا مال لے کر حاضر ہوئے، رسول اللہ (ﷺ) نے ان سے بھی دریافت فرمایا، ''مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ؟ ''یعنی اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟''....انہوں نے عرض کی، ''اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. یعنی ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں (عزوجل و ﷺ)۔''....

میں نے (اپنے آپ سے) کہا، ''لَا اَسْبُقُهٗ اِلٰی شَیْئٍ اَبَدًا۔ یعنی میں ان سے

کبھی بھی، کسی بھی بات میں آگے نہیں بڑھ سکوں گا۔" (ترمذی۔مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس حدیثِ پاک سے جہاں صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کا وصفِ سخاوت وایثار نمایاں ہوا، وہیں ذات باری تعالیٰ پر کامل توکل کے بارے میں بھی پتا چلا۔ کیونکہ کل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنا کل مال بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا، یقیناً صفتِ توکل سے متصف ہوئے بغیر ممکن نہیں۔

جس زمانے میں حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) نے سبقت لے جانے کا ارادہ فرمایا، اس میں آپ کے پاس کثیر مال موجود تھا۔ جب کہ سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے پاس مال کی کمی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ ہی غالب رہے۔ اسی غلبہ صدیقی نے آپ کو یہ اقرار کرنے پر مجبور کردیا کہ میں کبھی بھی ان سے سبقت نہیں لے جاسکتا۔ **کما فی المرقاۃ۔**

تاریخ الخلفاء میں اسی واقعے سے متعلق ایک بے حد ایمان افروز روایت نقل کی گئی ہے، جو زیادتی حبِ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی غرض سے حاضر ہے۔

"ابن عساکر، حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر تھا، سیدنا ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) بھی جلوہ افروز تھے۔ آپ اس وقت ایک ایسی قباء پہنے ہوئے تھے، جس کو انہوں نے سینے پر (بٹنوں کے بجائے) کانٹوں سے روکا ہوا تھا۔ پس اس وقت حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نازل ہوئے اور دریافت کیا، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آج ابوبکر اپنی قباء کو کانٹوں سے کیوں اٹکائے ہوئے ہیں؟"... رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا،

"کیونکہ انہوں نے اپنا تمام مال (اسلام کی ترقی کی خاطر) مجھ پر خرچ کر دیا ہے۔" حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے عرض کی، "یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! اللہ تعالیٰ نے ان پر سلام بھیجا ہے اور دریافت فرمایا ہے کہ اے ابوبکر! اس فقر میں بھی تم مجھ سے راضی ہو یا ناخوش؟"... جب رسول اللہ (ﷺ) نے یہ بات صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے سامنے پیش فرمائی، تو انہوں نے کہا، "میں اپنے رب (ﷻ) سے ناخوش کیسے ہو سکتا ہوں، میں تو اس سے راضی ہوں، خوش ہوں، بہت خوش ہوں، بہت راضی ہوں۔"...

اور ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، "ایک دن جبرئیل ایسا جبہ پہن کر آئے، جس میں کانٹے لگے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا، اے جبرئیل! یہ کیا حالت ہے؟"... انہوں نے عرض کی، "دراصل اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ تمام آج ایسا ہی لباس پہنیں، جیسا ابوبکر نے پہنا ہے۔" (صفحہ ۱۰۲)...

گو کہ ان دونوں روایات کی اسناد ضعیف ہیں، لیکن فضائل میں ان کا اعتبار کرنا مضر نہیں۔

لقبِ عتیق کی وجہ

☆ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی اکرم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے فرمایا، "اَنْتَ عَتِیْقُ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ۔ یعنی تم آگ سے اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہو۔" پس اس دن سے آپ کا نام عتیق ہو گیا۔" (ترمذی۔ مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

یہ حدیثِ پاک بھی آپ کے جنتی ہونے پر واضح دلیل ہے۔

زمینی وزیر

☆ حضرت ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ''مَامِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَ لَهُ وَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ السَّمَآءِ وَوَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ ۔یعنی ہر نبی کے لیے دوٗ وزیر آسمان والوں سے اور دوٗ وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں۔فَاَمَّا وَزِيْرَایَ مِنْ اَهْلِ السَّمَآءِ فَجِبْرَئِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَاَمَّا وَزِيْرَایَ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ. پس میرے آسمانی وزیر، جبرئیل ومیکائیل..اور..زمین والے، ابوبکر وعمر ہیں۔''

(ترمذی۔مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

وزیر، مُـــوَازِر یعنی مدد وتقویت دینے والے کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے امیر وبادشاہ کا بوجھ اٹھا لیتا ہے۔چنانچہ حدیثِ پاک کا مطلب یہ ہوگا کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اہم معاملہ درپیش ہوتا، تو آپ ان دونوں سے مشورہ طلب فرماتے، جیسا کہ دنیاوی بادشاہ کسی مشکل امر کے درپیش ہونے پر اپنے وزیر سے مشورہ مانگتا ہے۔معلوم ہوا کہ ان دو حضرات کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی علم وفضل وفہم وفراست سے نوازا تھا۔

آپ کی لوگوں پر فضیلت

☆ حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے، سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کو یوں مخاطب کیا، ''يَا خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ

اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) !"یعنی اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد سب سے بہتر انسان!۔" حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا، سنئے اگر آپ، یہ کہتے ہیں، تو بے شک میں نے بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ، "مَاطَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلٰی رَجُلٍ خَیْرٌ مِّنْ عُمَرَ ۔یعنی سورج، کسی ایسے مرد پر طلوع نہیں ہوا، جو عمر سے بہتر ہو۔"

(ترمذی۔مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

بیان کردہ روایت سے، حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سمیت تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہ) پر حضرتِ عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، حالانکہ بالاتفاق صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کا مرتبہ، عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) سے بڑھ کر ہے۔یہی وجہ ہے کہ مذکورہ کلام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کئی تاویلات بیان کی گئی ہیں۔چنانچہ ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) بیان فرماتے ہیں۔

(۱) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی یہ فضیلت آپ کے دورِ خلافت کے اعتبار سے ہے۔یعنی آپ کے دورِ خلافت میں کوئی آپ سے بڑھ کر نہ ہوگا۔

(۲) مراد یہ کہ ابوبکر کے بعد آپ کا مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے۔

(۳) مراد کسی ایک وصف میں فضیلت وخوبی کا بیان کرنا ہے، مثلاً عدالت یا سیاست میں سب سے بڑھ کر آپ کا مرتبہ ہے۔(اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ فضیلتِ جزوی، فضیلتِ کلی کو مستلزم نہیں۔)(مرقاۃ۔جلد ۱۱۔صفحہ ۳۰۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) آپس میں بہت زیادہ الفت ومحبت رکھا کرتے تھے، کیونکہ باہم بغض وکینہ، دوسرے کے فضائل کو زبان پر لانے سے

روک دیتا ہے، خصوصاً جب کہ دونوں حضرات ہم عصر بھی ہوں۔

آپ کی تنقیص کرنے والا

☆حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں، ''مَا اَظُنُّ رَجُلاً یَنْتَقِصُ اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ یُحِبُّ النَّبِیَّ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ یعنی میرے خیال میں حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کی تنقیص کرنے والا نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت نہیں رکھتا۔''

(ترمذی۔ مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

آپ کا گمان بالکل درست ہے، کیونکہ قاعدہ ہے کہ انسان کو جس سے محبت ہوجاتی ہے، اسے محبوب سے تعلق رکھنے والی ہر چیز سے محبت ہوجاتی ہے۔ اور محبت اور نقص نکالنے میں باہم منافات ہے۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی سے محبت کا دعویٰ بھی ہو اور پھر اس کے عیوب ونقائص کی تلاش میں سرگرداں بھی رہا جائے۔ اور اگر ایسا فی الواقع ہو بھی تو اسے دعوی محبت میں جھوٹا کہا جائے گا۔ پس یہاں بھی یہی صورتحال ہے کہ جو اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کا دعویٰ کرے اور پھر آپ سے قربِ خاص رکھنے والے اصحابِ کرام (رضی اللہ عنہم) کی تنقیص کے فعل قبیح میں مبتلاء بھی ہو، تو اسے دعوی محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جھوٹا ہی کہا جائے گا۔

بروز محشر آپ کی فضیلت

☆حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے، رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ''اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ ثُمَّ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ۔ یعنی سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، پھر ابوبکر وعمر کی۔ ثُمَّ اٰتِیْ اَھْلَ الْبَقِیْعِ فَیُحْشَرُوْنَ مَعِیَ۔ پھر

میں جنت البقیع والوں کے پاس آؤں گا، تو وہ میرے پاس جمع ہوں گے۔ ثُمَّ اَنْتَظِرُ اَهْلَ مَكَّةَ حَتّٰى اَحْشِرَ بَيْنَ الْحَرَمَيْنِ ۔ پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا، یہاں تک کہ حرمین طیبین کے درمیان ان سے آملوں گا۔'' (ترمذی۔ مناقب ابی بکر (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس حدیثِ پاک میں اس روایت کی جانب اشارہ ہے، مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا حُشِرَ مَعَهُمْ۔ یعنی جو جس قوم سے محبت رکھے گا، اس کا حشر ان ہی کے ساتھ ہوگا۔''

آپ کی نیکیوں کی قدر و قیمت

☆ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا کہ ایک چاندنی رات میں رسول اللہ (ﷺ) کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ میں نے عرض کی، ''هَلْ يَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدُ نُجُوْمِ السَّمَآءِ؟ ۔ یعنی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں؟'' ....فرمایا، ''نَعَمْ عُمَرُ ۔ ہاں عمر کی۔'' ....میں نے عرض کی، ''اَيْنَ حَسَنَاتُ اَبِىْ بَكْرٍ؟ '' ....یعنی حضرت ابوبکر کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟'' ....آپ نے ارشاد فرمایا، ''اِنَّمَا جَمِيْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ كَحَسَنَةٍ وَاحِدَةٍ مِّنْ حَسَنَاتِ اَبِىْ بَكْرٍ ۔ یعنی عمر کی ساری نیکیاں، ابوبکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کی مثل ہیں۔''

(مشکوۃ۔ باب مناقب ابی بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) بحوالہ رزین)

فائدہ:۔

حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی یہ فضیلت غالباً آپ کے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی بناء پر تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

آپ کی قربانیوں کا اعتراف

☆حضرت ابوھریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ"مَانَفَعَنِیْ مَالٌ قَطُّ مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ ۔یعنی مجھے کسی مال سے اتنا فائدہ حاصل نہیں ہوا جتنا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے مال سے ہوا ہے۔" حضرت ابوھریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ یہ سن کر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) رونے لگے، اور عرض کی کہ "ھَلْ اَنَاوَمَالِیْ اِلَّا لَکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا میں اور کیا میرا مال؟ جو کچھ بھی ہے، وہ آپ ہی کے لئے ہے۔" (ابن ماجہ، ابواب فضائل اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم))

فائدہ:۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا، وہ آپ ہی کے قدمون کا صدقہ تو ہے، تو اس میں میرا کیا کمال؟... ہاں، کمال تو آپ کا ہے کہ آپ نے اسے مجھ سے قبول فرما کر حصول رضائے الٰہی کے سلسلے میں میری مدد فرمائی۔

معمر جنتیوں کے سردار

☆حضرت علی (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ پیارے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ "ابوبکر و عمر جنت کے معمر لوگوں کے سردار ہیں، وہ اولین ہوں.. یا.. آخرین سوائے انبیاء و مرسلین کے،......اے علی! جب تک یہ دونوں بقیدِ حیات ہیں، تم انہیں اس بات کی خبر نہ دینا۔" (ابن ماجہ، ابواب فضائل اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم))

فائدہ:۔

مروی ہے کہ جنتیوں کی عمر تیس یا تینتیس سال کی ہوگی۔لھذا وہاں سب جوان ہوں گے کوئی بوڑھا یا ادھیڑ عمر کا نہ ہوگا۔لھذا حدیث پاک کا مطلب یہ کہ جو دنیا سے اس

عمر میں رخصت ہوئے، ان تمام کے سردار، یہ دو حضرات ہوں گے۔

آپ (رضی اللہ عنہ) کی پیروی کا حکم

☆ حضرت حذیفہ بن الیمان (رضی اللہ عنہ) راوی کہ سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان عظمت نشان ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میں تم میں کب تک موجود رہوں گا، تو میرے بعد ان دونوں کی پیروی کرنا...... اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہ) کی جانب اشارہ فرمایا۔''

(ابن ماجہ، ابواب فضائل اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم))

فائدہ:۔

اس میں بھی آپ دو حضرات کی خلافت کی جانب اشارہ ہے، لیکن صراحۃً نہیں۔ ہاں ان کی فضیلت بالکل واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔

ہم اسی طرح اٹھیں گے

☆ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کے ہمراہ باہر تشریف لائے اور فرمایا، ''ھٰکَذَا نُبْعَثُ ۔ ہم اسی طرح اٹھیں گے۔'' (ابن ماجہ، ابواب فضائل اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم))

فائدہ:۔

سبحان اللہ! سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان حق ترجمان سے اخروی عافیت کا یہ اعلان یقیناً کس قدر باعثِ اطمینان ہوگا، اس کی لذت فقط وہی محسوس کرسکتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اس سے روشناس کروانا پسند فرمایا۔ کاش! ان نفوس قدسیہ کے صدقے میں ہمیں بھی ظاہری اعتبار سے نہ سہی کبھی خواب میں ہی اسی قسم کی کسی بشارت سے نواز دیا جائے۔

حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)

آپ واقعہ فیل کے ۱۳ سال بعد پیدا ہوئے ۔ اشراف و اکابرِ قریش میں سے تھے۔ آپ اس وقت ایمان لائے، جب ۴۰ مرد اور ۱۱ عورتیں اسلام قبول کر چکی تھیں ۔ آپ کے قبول اسلام کے بعد اسلام کا عام طور پر چرچا ہوا۔ آپ کا شمار اولین سابقین اور عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ آپ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ اور رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جانثار صحابی ہیں۔ بہت بڑے عالم، مدبر اور صاحبِ فہم وفراست تھے۔ آپ طویل القامت اور فربہ اندام تھے۔ رنگ خوب گورا، جس میں سرخی جھلک مارتی تھی۔

ایک مرتبہ آپ کے بچوں نے عرض کیا کہ "اگر آپ عمدہ غذا کھائیں، تو امورِ خلافت زیادہ مستعدی سے سرانجام دے سکیں گے۔" آپ نے فرمایا، "پیارے بچو! اس مشورے کا شکریہ! لیکن میں نے اپنے دونوں دوستوں، یعنی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو ایک خاص دستور کا پابند دیکھا ہے۔ اگر میں ان کی روش اور دستور کے مطابق عمل نہیں کروں گا، تو ان کی منزل کس طرح پا سکوں گا؟

حضرت عبداللہ بن عامر (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ حضرتِ عمر (رضی اللہ عنہ) نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ کاش! میں اس تنکے کی طرح ہوتا، کاش! میں کچھ نہ ہوتا، کاش! میں پیدا نہ ہوا ہوتا۔" (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۹۸)

ایک مرتبہ آپ (رضی اللہ عنہ) نے مالِ غنیمت کی مشک اپنے گھر میں رکھی ہوئی تھی تاکہ آپ کی اہلیہ محترمہ (رضی اللہ عنہا) اس خوشبو کو مسلمانوں کے پاس فروخت کر دیں۔ ایک روز آپ گھر تشریف لائے تو بیوی کے دوپٹے سے مشک کی خوشبو آئی۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ "یہ خوشبو کیسی؟" انہوں نے جواب دیا کہ "میں خوشبو تول رہی تھی، اس

سے خوشبو میرے ہاتھ کو لگ گئی، وہ میں نے دوپٹے سے مل لی۔ حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) نے دوپٹہ ان کے سر سے اتار لیا اور اس کو دھویا اس کے بعد سونگھا، پھر مٹی ملی اور دوبارہ دھویا حتی کہ اس وقت تک دھوتے رہے، جب تک خوشبو ختم نہ ہوگئی۔ (احیاء العلوم)

ایک مرتبہ آپ (رضی اللہ عنہ) کو کوئی تکلیف لاحق تھی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس مرض کو دور کرنے کے لئے شہد اچھی چیز ہے۔ اس وقت بیت المال میں شہد کا ایک کپا موجود تھا۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں اس میں سے کچھ شہد لے لوں، اگر تم اجازت دیتے ہو تو میں لوں گا، وگرنہ تمہاری اجازت کے بغیر وہ مجھ پر حرام ہے۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اجازت دے دی۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۶)

ابو الشیخ کتاب العصمۃ میں قیس بن حجاج سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) نے مصر فتح کیا، تو ایک مقررہ دن بہت سے لوگ حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ''ہماری کھیتی باڑی کا دارومدار دریائے نیل کے پانی پر ہے۔ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے، تو ایک قدیم طریقے کے بغیر اس میں پانی نہیں چڑھتا۔'' آپ کے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ ''چاند کی گیارہ تاریخ کو ہم ایک کنواری لڑکی کو زیورات وغیرہ پہنا کر اس کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔''

حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا، ''یہ تمام لغو اور بے سروپا باتیں ہیں، اسلام تو ان تمام باطل باتوں اور وہموں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔'' اور اس کام کی اجازت نہ دی، جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ ترک وطن پر آمادہ ہو گئے۔ آپ نے

تمام حالات سیدنا عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کو لکھ کر بھیجے، تو آپ نے جواب میں لکھا کہ "تم نے مصریوں کو بہت اچھا جواب دیا ہے، اسلام ان لغو باتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔" اور اس خط کے ہمراہ ایک رقعہ بھی بھیجا جسے دریائے نیل میں ڈالنے کی حکم دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ "بندہ الٰہی، عمر امیر المؤمنین کی طرف سے دریائے نیل کے لئے! اگر تو خود بخود جاری ہوتا ہے، تو مت جاری ہو اور اگر تجھے اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے، تو میں اللہ واحد و قہار ہی سے استدعا کرتا ہوں کہ تجھے جاری کر دے۔"

الحاصل! جب یہ رقعہ رات کے وقت دریائے نیل میں ڈالا گیا، تو جب اہل مصر صبح بیدار ہوئے تو دیکھا کہ دریائے نیل کا پانی جاری ہو چکا تھا۔ جس کے ساتھ ہی مصر کی یہ جاہلانہ اور مذموم رسم بھی ختم ہو گئی۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۹۴)

آپ کا طریقہ کار یہ تھا کہ باہر سے آنے والے کسی نابالغ کو مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ حاکم کوفہ نے آپ سے خط و کتابت کی اور ایک ایسے لڑکے کے لئے مدینہ شریف میں داخلے کے لئے سفارش کی جو لوہار اور بڑھی اور نقاش کا کام بہت اچھی طرح جانتا تھا، تاکہ وہ اہل مدینہ کے کام آسکے۔ آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ جب وہ لڑکا ابولؤلوء آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حاکم کوفہ کی شکایت کی کہ انہوں نے مجھ پر بہت ٹیکس لگا رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا "یہ ٹیکس زیادہ نہیں ہے۔" آپ کا یہ جواب اسے بہت ناگوار گزرا اور وہ غصہ سے تلملاتا ہوا چلا گیا۔

چند روز بعد آپ نے اسے بلایا اور کہا کہ "تُو کہتا تھا کہ میں ایسی چکی تیار کروں گا جو ہوا سے چلے گی؟" اس نے کڑوے تیوروں سے کہا کہ "میں آپ کے لئے ایسی چکی تیار کروں گا جس کا لوگ ہمیشہ ذکر کیا کریں گے۔" جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

”یہ مجھے قتل کی دھمکی دے کر گیا ہے۔“

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا معمول تھا کہ آپ تکبیر سے قبل صفیں درست کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔شہادت کے دن ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ بروز منگل کو جب آپ نے تلقین کی تو وہی اَبُولُؤلُؤ مجوسی صف میں آپ کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا اور فوراً ہی آپ کے شانے اور پہلو پر خنجر سے دو وار کئے،جس سے آپ گر پڑے۔پھر اس نے مزید نمازیوں پر حملہ کیا اور تیرہ افراد کو زخمی کر دیا۔

آپ کچھ دیر زخمی حالت میں رہے،اپنے بیٹے حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کو قرض کے بارے میں وصیت کی اور حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس کہلا بھیجا کہ ”عمر اجازت چاہتا ہے کہ وہ اپنے دو دوستوں کے پاس دفن ہو۔“سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے فرمایا کہ ”یہ جگہ تو میں نے اپنے لئے محفوظ کر رکھی تھی،لیکن آج میں اپنی ذات پر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو ترجیح دیتی ہوں۔“اس اجازت کی خبر سننے کے بعد آپ نے کچھ اور وصیتیں کیں اور وصال فرما گئے۔نمازِ جنازہ،حضرت صہیب (رضی اللہ عنہ) نے پڑھائی اور آپ کو روضہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں دفن کیا گیا۔“ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۶ بتغیر ما)

﴿قرآن و احادیث سے حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے فضائل﴾

☆ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی)!اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے۔ (پ ۱۰۔الانفال۔۶۴)

فائدہ:۔

امام فخر الدین رازی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس کے شانِ نزول کے بارے میں نقل

فرماتے ہیں کہ،"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (رضی اللہ عنہما) نُزِّلَتْ فِی اِسْلَامِ عُمَرَ قَالَ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ اَسْلَمَ مَعَ النَّبِیِّ ثَلَاثَۃٌ وَّثَلَاثُوْنَ رَجُلاً وَسِتُّ نِسْوَۃٍ ثُمَّ اَسْلَمَ عُمَرُ فَنُزِّلَتْ ھٰذِہِ الْآیَۃُ۔ یعنی ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے اسلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ سعید بن جبیر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں،"رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ ۳۳ مرد اور سات عورتیں ایمان لائیں، پھر (جب) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ایمان لائے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔"

(تفسیر کبیر۔ جلد ۵۔ صفحہ ۵۰۳)

آپ کا مقام و مرتبہ

☆ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ "کُنَّا نُخَیِّرُ بَیْنَ النَّاسِ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ (ﷺ) فَنُخَیِّرُ اَبَا بَکْرٍ ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ (رضی اللہ عنہم)۔ یعنی نبی کریم (ﷺ) کے زمانہ مبارکہ میں جب ہم صحابہ کرام کے درمیان کسی کو ترجیح دیتے، تو حضرت ابوبکر کو (سب پر) ترجیح دیا کرتے، پھر حضرت عمر بن خطاب کو، پھر حضرت عثمان بن عفان کو (رضی اللہ عنہم)۔"

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ)......)

فائدہ:۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ اکابرین اسلام کے فضائل اور ان کے باعث ان کے مراتب مقرر کرنا صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا طریقہ رہا ہے۔ اس کے بارے میں مزید کلام، اسی حدیث کے تحت فضائل ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) (صفحہ 22) میں گزرا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے محبوب

☆ حضرت عمرو ابن العاص (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے غزوہ ذات السلاسل کا امیر لشکر بنا کر روانہ فرمایا۔ جب میں آپ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا، تو عرض کی، ''اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ؟''...یعنی لوگوں میں سے آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟''...فرمایا، ''عَـــائِشَةُ۔'' میں نے پھر عرض کی ''مِـــنَ الـرِّجَالِ؟...یعنی مردوں میں سے؟''...فرمایا، ''اَبُـوْهَا۔ یعنی ان کے والد۔'' میں نے پھر عرض کی، ''ثُمَّ مَنْ؟ ۔ پھر کون؟ فرمایا، ''عُـمَـرُ بْنُ خَطَّابِ۔''...اوران کے بعد چند دوسرے حضرات کو شمار فرمایا۔ (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

ماقبل (صفحہ....27) پر اس کے بارے میں کلام گزر گیا۔

سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آپ کی رائے کی موافقت

☆ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک چرواہا اپنے بکریوں کے ریوڑ میں تھا کہ بھیڑیئے نے حملہ کیا اور ایک بکری کو پکڑ کر لے گیا۔ چرواہے نے بکری کو اس سے چھڑا لیا۔ پس بھیڑیا اسے مخاطب کر کے کہنے لگا، ''اس چیر پھاڑ کے دن ان کی حفاظت کون کرے گا، جس روز میرے سوا ان کا چرواہا، کوئی اور نہ ہوگا؟...اسی طرح ایک شخص بیل کو ہانک کر لے جا رہا تھا کہ پھر اس پر سوار ہو گیا۔ بیل نے اسے مخاطب کر کے کہا کہ مجھے اس لئے تو پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ میں تو کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔'' لوگوں نے تعجب سے سبحان اللہ کہا۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِذٰلِکَ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ۔ میں ان واقعات پر یقین رکھتا ہوں اور ابوبکر و عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہما) بھی۔" (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

اس پر کلام (صفحہ....28) پر گیا۔

کارِ خلافت میں سرخروئی

☆ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں سویا ہوا تھا کہ خود کو ایک کنوئیں پر دیکھا، جس پر ایک ڈول تھا۔ پھر میں نے اس سے اتنے ڈول نکالے، جتنے اللہ تعالی نے چاہے۔ پھر اسے ابن ابو قحافہ (ابوبکر) نے لے لیا اور ایک ..یا.. دو ڈول نکالے۔ ان کے پانی کھینچنے میں کمزوری تھی، اللہ تعالی ان کے ضعف کو معاف فرمائے۔ پھر وہ ڈول، ایک بڑے ڈول میں تبدیل ہو گیا اور اسے ابن خطاب نے سنبھال لیا۔ فَلَمْ اَرَ عَبْقَرِیًّا مِّنَ النَّاسِ یَنْزَعُ نَزْعَ عُمَرَ حَتّٰی ضَرَبَ النَّاسَ بِعَطَنٍ۔ میں نے، اپنے کام میں ماہر کسی شخص کو، عمر کی طرح ڈول کھینچتے ہوئے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ سب کو سیراب کر دیا۔"

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خواب، وحی الٰہی ہی کی ایک صورت ہے۔ یہ خواب بظاہر سیدنا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) پر، حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن حقیقۃً ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ علامہ بدرالدین عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس کی تشریح کرتے ہوئے

ارشاد فرماتے ہیں، ''لَیْسَ فِیْهِ حَطٌّ مِّنْ فَضِیْلَةِ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ (رضی الله عنه) وَاِنَّمَا اِخْبَارٌ عَنْ حَالِ وِلَایَتِهٖ فَاِنَّهٗ اشْتَغَلَ بِقِتَالِ اَهْلِ الرِّدَّةِ فَلَمْ یَتَفَرَّغْ لِفَتْحِ الْاَمْصَارِ وَجِبَایَةِ الْاَمْوَالِ وَالْقِصَرِ مُدَّتِهٖ فَاِنَّهَا سَنَتَانِ وَّثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ وَّعِشْرُوْنَ یَوْمًا ۔یعنی اس حدیثِ پاک میں ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کی کمی کی جانب اشارہ نہیں، بلکہ اس میں محض آپ کے اختیارات کی کمی کے حال کی خبر دی گئی ہے، کیونکہ آپ (وصال نبی (رضی اللہ عنہ) کے فوراً بعد) مرتد ہو جانے والوں سے جہاد میں مشغول ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ کو شہروں کے فتح کرنے اور (خراج وغنیمت وغیرہ کی صورت میں) اموال جمع کرنے کے لئے فراغت نہ مل سکی۔ اور اس میں آپ کی مدتِ خلافت کے اختصار کی بھی خبر ہے، کیونکہ آپ کی مدتِ خلافت صرف دو سال، تین ماہ، بیس دن ہے۔''

نیز فرماتے ہیں، ''رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرمان ''اللہ ان کی مغفرت فرمائے'' میں بھی آپ کی تنقیص یا کسی گناہ کی جانب اشارہ نہیں، وَاِنَّمَا هِیَ کَلِمَةٌ یَدْعَمُوْنَ بِهَا کَلَامَهُمْ ۔یعنی یہ تو محض ایک ایسا کلمہ ہے کہ جس کے ذریعے اہل عرب اپنے کلام کو قوی و متوازن کرتے ہیں۔''

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا ڈول کو لے لینا، خلافت کے آپ کی طرف منتقل ہونے ..اور..اس کا بڑے ڈول میں تبدیل ہو جانا، مدتِ خلافت کی طوالت اور آپ کے عہد میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بلا دو اموال وغنائم کی شکل میں فتوحات کی کثرت کی جانب اشارہ ہے۔ (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۳۶۶)

اس خوابِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بخوبی معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) نے

منصبِ خلافت میں کسی قسم کی کوتاہی کا ارتکاب نہیں فرمایا، ورنہ اس رحمانی خواب میں آپ کو اس طور پر ہرگز نہ دکھایا جاتا۔ (ایضاً)

علامہ نووی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں، "فِیْ کُلِّ ھٰذَا اِعْلَامُ خِلَافَۃِ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَصِحَّۃِ وِلَایَتِہِمَا وَبَیَانِ صِفَتِہَا وَانْتِفَاعِ الْمُسْلِمِیْنَ بِہَا۔ یعنی اس تمام میں حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کی خلافت اور ان کی ولایت، اس ولایت کی صفت اور اس سے مسلمانوں کے نفع اٹھانے کی خبر ہے۔"

(شرح صحیح مسلم للنووی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۷۵)

سیدنا صدیقِ اکبر (رضی اللہ عنہ) کے بعد آپ کا مرتبہ

☆ حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد محترم (حضرت علی) سے دریافت کیا کہ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ؟۔ یعنی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد، لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟... فرمایا، "ابوبکر (رضی اللہ عنہ)۔" میں نے پوچھا، "ثُمَّ مَنْ؟. پھر کون ہے؟"... فرمایا، "ثُمَّ عُمَرُ۔ یعنی پھر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔"...

اور میں ڈرا کہ (اب) حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کا نام لیں گے۔ چنانچہ میں نے کہا، "ثُمَّ اَنْتَ؟ یعنی پھر آپ ہیں؟... فرمایا، مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ یعنی میں تو مسلمانوں میں ایک معمولی سا شخص ہوں۔"

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ....)

فائدہ:۔

اس پر کلام (صفحہ 30) پر گزر گیا۔

جنت کی بشارت

☆ حضرت ابوموسی اشعری (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنے گھر میں وضو کیا، پھر باہر نکلا، تو میں ارادہ کیا کہ آج ضرور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت کروں گا اور ضرور آپ کی بارگاہ میں حاضر رہوں گا۔ پس میں مسجد میں آیا اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق پوچھا۔ لوگوں نے ایک سمت کے بارے میں بتایا کہ آپ ادھر تشریف لے گئے ہیں۔ میں نقش قدم دیکھتا اور لوگوں سے پوچھتا ہوا چلتا رہا، یہاں تک کہ اریس کے کنویں پر جا پہنچا اور اس کے کھجور کے بنے ہوئے دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قضائے حاجت سے فارغ ہوئے اور آپ نے وضو فرمالیا، تو میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گیا۔

آپ کنویں کی منڈیر پر تشریف فرما ہو گئے اور اپنی پنڈلیاں کھول کر انہیں کنوئیں میں لٹکا لیا۔ میں سلام کر کے دروازے کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور ارادہ کیا کہ آج میں ضرور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دربان بن کر رہوں گا۔ پھر (کچھ دیر بعد) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا، "کون ہے؟"...انہوں نے فرمایا، "ابوبکر۔" ...میں نے عرض کی کہ "ذرا ٹھہریئے۔"...پھر میں جا کر عرض گزار ہوا، "یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! ابوبکر حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔"...فرمایا، "**اِئْذِنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ** ۔یعنی انہیں اجازت دے دو اور انہیں جنت کی خوشخبری سناؤ۔" میں نے آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر سے کہا کہ اندر آجایئے اور رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ پس حضرت ابوبکر آ کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں جانب چبوترے پر بیٹھ گئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثل اپنی پنڈلیاں کھول کر، ٹانگیں کنوئیں

میں لٹکا لیں۔ میں واپس آ کر اپنی اسی جگہ بیٹھ گیا۔ میں اپنے بھائی کو وضو کرتے ہوئے چھوڑ آیا تھا اور وہ بھی میرے ساتھ آنا چاہتا تھا۔ میں نے سوچا، اگر اب اللہ تعالیٰ کسی کو یہاں بھیجنے کے سلسلے میں کرم فرمائے، تو کاش! وہ میرے بھائی کو بھی ساتھ لیتا آئے۔

اسی اثنا میں کسی نے دروازے کو حرکت دی۔ میں نے پوچھا، ''کون ہے؟''... جواب دیا کہ ''عمر بن خطاب ہوں۔''... میں نے عرض کی، ''ذرا ٹھہریئے۔''... پھر میں رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا سلام عرض کیا اور کہا، ''حضرت عمر اجازت طلب کر رہے ہیں۔''... فرمایا، ''اِئْذِنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ۔ یعنی انہیں اجازت دو اور جنت کی بشارت سناؤ۔ میں انہیں بشارت سنا کر اندر لے آیا۔ آپ اندر تشریف لائے اور چبوترے پر رسول اللہ (ﷺ) کے بائیں جانب بیٹھ گئے اور اپنے دونوں پیر کنوئیں میں لٹکا لئے۔ پھر میں واپس آ کر بیٹھ گیا اور اپنے جی میں کہا کہ کاش! اللہ تعالیٰ میرے بھائی کے ساتھ بھی بھلائی کا ارادہ فرمائے۔ پھر کسی نے دروازہ کو حرکت دی۔ میں نے پوچھا، ''کون ہے؟''... جواب دیا، ''عثمان بن عفان۔''... میں نے کہا، ''ذرا ٹھہریئے۔''... پس میں رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو بتایا۔ فرمایا، ''اِئْذِنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰی بَلْوٰی تُصِيْبُهُ۔ یعنی انہیں اجازت دے دو اور جنت کی بشارت سناؤ اور ایک مصیبت انہیں پہنچے گی۔''... پس میں نے انہیں یہ بات بتائی۔ آپ بھی اندر داخل ہوئے اور منڈیر کو بھرا ہوا دیکھ کر دوسری جانب بالمقابل جا بیٹھے۔

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ)......)

فائدہ:۔

اس کے بارے میں کلام صفحہ...33 پر ملاحظہ فرمائیں۔

اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ

☆ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ میں (حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے انتقال کے بعد) لوگوں کے درمیان کھڑا تھا۔ جب عمر کا جنازہ تابوت پر رکھا جا چکا، تو قوم نے ان کے لیے دعا کی۔ اتنے میں کسی شخص نے میرے پیچھے سے اپنے ہاتھوں کو میرے کندھوں پر رکھتے ہوئے کہا، ''رَحِمَکَ اللّٰہُ اِنْ کُنْتُ لَاَرْجُوْ اَنْ یَّجْعَلَکَ اللّٰہُ مَعَ صَاحِبَیْکَ ۔یعنی مجھے قوی امید تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا۔ لِاَنِّیْ کَثِیْرًا مَّا کُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰہِ (علیہ السلام) یَقُوْلُ کُنْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ، وَفَعَلْتُ اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ، وَانْطَلَقْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ فَاِنْ کُنْتُ لَاَرْجُوْ اَنْ یَجْعَلَکَ اللّٰہُ مَعَہُمَا ۔کیونکہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بار ہا فرماتے ہوئے سنا کہ ''میں، ابوبکر اور عمر تھے''.... ''میں، ابوبکر اور عمر نے کیا''.... ''میں، ابوبکر اور عمر گئے۔''... اسی لیے مجھے امید واثق تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور ان دونوں حضرات کے ساتھ رکھے گا۔''... (ابن عباس فرماتے ہیں کہ) جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا، تو وہ حضرت علی بن ابو طالب (رضی اللہ عنہ) تھے۔''

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

اس روایت سے بخوبی معلوم ہوا کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اور شیخین کریمین (رضی اللہ عنہم) میں کسی قسم کی باہم رنجش نہ تھی، بلکہ ایک دوسرے کے مناقب بیان کر کے قلبی لگاؤ کا اظہار کیا کرتے تھے۔

جنت میں آپ کا محل

☆ حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ''میں نے دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہو رہا ہوں۔ پھر میں نے وہاں ابوطلحہ کی بیوی رُمَیْصَاء کو دیکھا اور پھر قدموں کی ایک آہٹ سنی۔ میں نے پوچھا، ''مَنْ هٰذَا؟ یعنی یہ کون ہے؟''.....جواب ملا، ''هٰذَا بِلَالٌ۔ یعنی یہ بلال ہے۔''...اور میں نے ایک محل دیکھا، جس کے صحن میں ایک نوجوان عورت تھی۔ میں پوچھا، ''لِمَنْ هٰذَا؟[1] یہ کس کے لئے ہے؟''...جواب ملا، ''لِعُمَرَ یعنی عمر کے لئے ہے۔''...پھر میں ارادہ کیا کہ اندر داخل ہو کر اسے دیکھوں، لیکن تمہاری غیرت یاد آگئی۔'' اس پر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) عرض گزار ہوئے، ''بِاُمِّی وَاَبِی یَارَسُوْلَ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) !اَعَلَیْکَ اَغَارُ؟ یعنی میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا میں آپ پر غیرت کر سکتا ہوں؟.....(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم).......)

فائدہ:۔

مذکورہ حدیثِ پاک بھی خوابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر مشتمل ہے اور نبی کا خواب، وحیِ الٰہی ہی ہوا کرتا ہے۔ اولاً رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے سلسلہ وحی خواب کی ہی شکل میں شروع ہوا تھا۔ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں، ''اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) مِنَ الْوَحْیِ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ فِی النَّوْمِ فَکَانَ لَایَرٰی رُؤْیَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ۔ یعنی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کی ابتداء اچھے خوابوں

[1]:۔ اگر مشار الیہ عورت ہو تو، یقیناً مشار الیہ کے سلسلے میں من موصولہ کے لفظ کا اعتبار فرمایا گیا ہے اور اگر محل ہو تو اپنے ظاہر پر ہے۔ ۱۲ منہ

سے ہوئی، آپ جو خواب بھی دیکھتے، وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا۔'' (بخاری شریف۔ کتاب الوحی ....)

رمیصاء (رضی اللہ عنہ) حضرت ابوطلحہ (رضی اللہ عنہ) کی زوجہ، حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کی والدہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضاعی خالہ ہیں۔

خواب کی شہادت سے مذکورہ تینوں نفوس قدسیہ کا جنتی ہونا ثابت ہوا۔

آپ کا علمِ مبارک

☆ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ''اَنَا نَائِمٌ شَرِبْتُ یَعْنِی اللَّبَنَ حَتّٰی اَنْظُرَ اِلَی الرِّیِّ یَجْرِیْ فِیْ ظُفُرِیْ اَوْ اَظْفَارِیْ ثُمَّ نَاوَلْتُ عُمَرَ۔ یعنی میں سو رہا تھا کہ دوران خواب، دودھ پیا حتی کہ اس کا اثر میرے ناخنوں میں ظاہر ہو گیا۔ پھر میں نے بچا ہوا عمر کو دے دیا۔'' لوگ نے عرض کی کہ مَا اَوَّلْتَهٗ؟ یعنی آپ نے دودھ سے کیا مراد لیا ہے؟... فرمایا، ''علم۔''

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ....)

فائدہ:۔

یہاں علم سے مراد علم دین ہے۔ یہاں بھی بظاہر حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کا مرتبہ سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) سے اعلیٰ محسوس ہوتا ہے۔ لیکن ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس کا جواب یہ عنایت فرماتے ہیں کہ ''فَلَا یُنَافِیْ اَنَّ سُوْرَۃً حَصَلَ لِلصِّدِّیْقِ اَیْضًا۔ یعنی حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو دودھ کا عطا کیا جانا، اس بات کے منافی نہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تبرک، صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کو بھی حاصل ہوا ہو۔''.....

آپ نے اس مقام پر کچھ اضافی، لیکن مفید کلام فرمایا ہے، استفادے کے لئے

حاضرِ خدمت ہے۔

''علماء کرام نے ارشاد فرمایا کہ عالم اجسام اور عالم ارواح کے علاوہ ایک اور عالم بھی ہے، جسے عالم مثال کہا جاتا ہے۔ یہ عالم نورانی ہے اور عالم جسمانی سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس عالم کی سیر اور اس میں موجودہ اشیاء کی رؤیت کے سلسلے میں نیند، روح منور کے لئے سبب بنتی ہے۔ اس عالم میں علم، دودھ کی شکل میں متشکل ہوتا ہے، ان دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح دودھ، بدن کی اول غذاء وصلاح کا سبب ہے، اسی طرح علم بھی روح کی اول غذاء اور اس کی صلاح کا سبب بنتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ علمی تجلی چار صورتوں میں واقع ہوتی ہے، دودھ، پانی، شراب اور شہد۔ ان چاروں چیزوں کو وہ آیتِ پاک شامل ہے، جس میں جنت کی نہروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پس جس نے خواب میں پانی پیا، اسے علم لدنی.... جس نے دودھ پیا، اسے علم اسرارِ شریعت.... جس نے شراب پی، اسے علم کمال.. اور.. جس نے شہد پیا، اسے علم طریق وحی عطا کیا جائے گا۔'' (مرقاۃ۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۲۹۷)

آپ کی ہیبت، شیطان پر

☆ مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) سے ارشاد فرمایا، ''یَا ابْنَ الْخَطَّابِ ! وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا لَقِیَکَ الشَّیْطَانُ سَالِکًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَکَ فَجًّا غَیْرَ فَجِّکَ ۔ یعنی اے ابن خطاب! قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، جب شیطان تمہیں کسی راستے پر چلتے ہوئے دیکھتا ہے، تو تمہارے راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔'' (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ) ....)

فائدہ:۔

اس حدیثِ پاک سے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کا اندازہ کرنا قطعی دشوار نہیں۔لیکن اِس سے آپ کے معصوم ہونے کا نتیجہ اخذ کرنا درست نہ ہوگا، کیونکہ یہ انبیاء وملائکہ (علیہم السلام) کے ساتھ خاص ہے،علامہ بدرالدین عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں،''اس حدیث پاک میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی عظیم فضیلت کا بیان ہے، کیونکہ یہ کلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ شیطان کے لئے آپ تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہ ہو،لیکن یہ عصمت کے وجوب کا تقاضا نہیں کرتا، کیونکہ اس میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے راستے سے فرار ہونے کے بارے میں بیان تو موجود ہے،لیکن اس بات کا انکار نہیں کہ وہ اپنی حسبِ قدرت آپ کے قریب آنے پر وسوسہ نہیں ڈال سکتا۔''.....کچھ آگے ارشاد فرماتے ہیں،''اسی لئے ہم آپ کے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے ، کیونکہ یہ انبیاء (علیہم السلام) کے خواص میں سے ہے۔'' (عمدۃ القاری۔جلد ۱۱۔صفحہ ۴۱۷)

علامہ نووی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس حدیثِ پاک کے تحت لکھتے ہیں،''اس حدیث سے ظاہری معنیٰ ہی مراد لئے جائیں گے اور وہ یہ کہ جب شیطان ،حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا کسی راستے پر چلتے ہوئے دیکھتا ہے،تو آپ کے رعب ودبدبے کی بناء پر دوسرے راستے پر بھاگ جاتا ہے۔اور اس کا کسی دوسرے راستے پر بھاگ جانا،شدت خوف کی وجہ سے ہوتا ہے کہ کہیں آپ اس کے بارے میں کچھ کر نہ بیٹھیں۔''

(شرح صحیح مسلم للنووی۔جلد ۲۔صفحہ ۲۷۶)

آپ کا باعثِ تقویتِ اسلام ہونا

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے کہ ''مَازِلْنَا اَعِزَّةً مُنْذُ

اَسْلَمَ عُمَرُ ۔یعنی جب سے حضرت عمر مسلمان ہوئے، اس وقت سے ہم برابر کامیاب ہوتے چلے آرہے ہیں۔" (بخاری شریف۔باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ).......)

فائدہ:۔

یہ کامیابی، اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ ہمت وجرأت کی بناء پر تھی۔تاریخ الخلفاء میں ہے،" ابن عساکر (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے کہ عمر کے علاوہ ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے، جس نے اعلانیہ ہجرت کی ہو۔جس وقت آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا، تو تلوار حمائل کی، کمان کندھے پر لٹکائی اور ہاتھ میں ترکش سے تیر نکال کر رکھ لیا۔پھر کعبۃ اللہ میں تشریف لائے، وہاں کچھ اشراف قریش بیٹھے تھے۔آپ نے ان کے سامنے ہی سات مرتبہ کعبہ کا طواف فرمایا، مقام ابراہیم پر دو رکعتیں پڑھیں، پھر ان لوگوں کے پاس جا کر الگ الگ فرمایا،" تمہاری صورتیں بگڑ جائیں، ہے کوئی جو اپنی ماں کو بے اولاد، بیٹے کو یتیم اور بیوی کو بیوہ کرنا چاہے، اگر ہے تو آئے اور جنگل کے اس طرف مجھ سے مقابلہ کرے۔" مگر کسی میں آپ سے مقابلے کی تاب نہ تھی۔" (صفحہ ۱۹۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) فرماتے تھے،" کَانَ اِسْلَامُ عُمَرَ عِزًّا وَھِجْرَتُہٗ نَصْرًا وَاِمَارَتُہٗ رَحْمَۃً ۔یعنی حضرت عمر کا اسلام لانا، سببِ عزت، آپ کی ہجرت، باعثِ نصرت اور آپ کی خلافت، وجہِ رحمت تھی۔وَاللّٰہِ مَا اسْتَطَعْنَا اَنْ نُصَلِّیَ حَوْلَ الْبَیْتِ ظَاھِرِیْنَ حَتّٰی اَسْلَمَ عُمَرُ ۔خدا کی قسم! عمر کے اسلام لانے تک، ہم اعلانیہ کعبہ کے گرد نماز پڑھنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔"

آپ کی فضیلت بزبانِ حضرت علی

(رضی اللہ عنہ)

☆ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو (ان کے انتقال کے بعد) تخت پر رکھا گیا، تو لوگوں نے آپ کا احاطہ کرلیا۔ آپ کا جنازہ اٹھنے سے پہلے لوگ دعائیں مانگتے اور نمازیں پڑھتے رہے اور میں بھی ان میں تھا۔ اچانک ایک شخص نے میرا کندھا پکڑ کر مجھے گھبراہٹ میں مبتلاء کر دیا، (دیکھا تو) وہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) تھے۔ پھر انہوں نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے لئے دعائے رحمت کی اور فرمایا، "مَاخَلَّفْتَ اَحَدًا اَحَبَّ اِلَیَّ اَنْ اَلْقَی اللّٰہَ بِمِثْلِ عَمَلِہٖ مِنْکَ۔ یعنی آپ کے بعد ایسا کوئی شخص نہیں، جو مجھے آپ کے برابر محبوب ہو کہ وہ خدا کی بارگاہ میں آپ جیسے عمل لے کر جائے۔ اَیْمُ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُ لَاَظُنُّ اَنْ یَّجْعَلَکَ اللّٰہُ مَعَ صَاحِبَیْکَ وَحَسِبْتُ اِنِّیْ کُنْتُ کَثِیْرًا اَسْمَعُ النَّبِیَّ (صلی اللہ علیہ وسلم) یَقُوْلُ کُنْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَذَهَبْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَدَخَلْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَخَرَجْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ۔ یعنی خدا کی قسم! میں تو یہی گمان کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جناب کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا اور یہ میں نے اس لیے خیال کیا کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "میں اور ابوبکر و عمر تھے"...."میں اور ابوبکر و عمر گئے"...."میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے"....میں اور ابوبکر و عمر آئے۔"

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

اس پر کلام صفحہ.....65 پر گزر گیا۔

آپ کی پرہیز گاری اور سخاوت

☆ مروی ہے کہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے بعض حالات پوچھے گئے، تو انہوں نے فرمایا کہ "مَا رَأَيْتُ اَحَدًا قَطُّ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) مِنْ حِيْنَ قُبِضَ كَانَ اَجَدَّ وَاَجْوَدَ حَتّٰى انْتَهٰى مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ یعنی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وفات پا جانے کے بعد میں نے حضرت عمر بن خطاب جیسا نیک اور سخی نہیں دیکھا، گویا یہ خوبیاں تو آپ کی ذات پر ختم ہو گئی تھیں۔"

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

اولاً اس روایت سے معلوم ہوا کہ دورِ صحابہ سے اکابرین کی خوبیاں سننے کی تمنا رکھنا اور ان کے مناقب بیان کرنا جاری و ساری تھا۔

ثانیاً رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد حضرت عمر کی سخاوت کا سب سے بڑھ کر ہونا، آپ کی مدتِ خلافت کے دوران ہے۔ ورنہ آپ کے، سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) سے آگے بڑھ جانے سے عاجز ہو جانے کا ذکر ما قبل میں گزرا۔

اس امت کا مُحَدَّث

☆ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "لَقَدْ كَانَ فِيْمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَكُ فِيْ اُمَّتِيْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ۔ یعنی تم سے پہلی امتوں میں مُحَدَّث ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں کوئی محدث ہے، تو وہ عمر ہے۔" (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) تورپشتی کے حوالے سے محدث کی تعریف بیان فرماتے ہیں، ''اَلْمُحَدَّثُ فِیْ کَلَامِھِمْ اَلصَّادِقُ الظَّنُّ وَھُوَ فِی الْحَقِیْقَۃِ مَنْ اُلْقِیَ فِیْ رُوْعِہٖ شَیْءٌ مِنْ قَبْلِ الْمَلَاءِ الْاَعْلٰی ۔یعنی ان کے کلام میں محدث سے مراد وہ شخص ہے کہ جو صادق الظن ہو اور وہ حقیقت میں اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جس کے دل میں مقرب فرشتوں کو مطلع کرنے سے پہلے ہی کوئی بات ڈال دی جائے۔''.....

کچھ آگے حدیث کا مطلب ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں، ''فَالْمَعْنٰی لَقَدْ کَانَ فِیْ مَا قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ اَنْبِیَاءُ یُلْھَمُوْنَ مِنْ قَبْلِ الْمَلَاءِ الْاَعْلٰی فَاِنْ یَکُ مِنْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ ھٰذَا شَانُہٗ فَھُوَ عُمَرُ ۔یعنی پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ بے شک تم سے پہلی امتوں میں انبیاء (علیہم السلام) تھے، جنہیں مقرب فرشتوں سے پہلے الہام فرمایا جاتا تھا، اگر اس امت میں کوئی اس شان کا ہے، تو وہ عمر ہیں۔'' (مرقاۃ۔جلد ۱۱۔صفحہ ۲۹۲)

علامہ نووی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) محدث کے بارے میں مختلف اقوال نقل فرماتے ہیں۔

(۱) قَالَ ابْنُ وَھْبٍ مُلْھَمُوْنَ ۔یعنی ابن وہب (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے فرمایا ، (محدث وہ ہیں جنہیں، اللہ تعالیٰ کی جانب سے) الہام کیا جاتا ہے۔

(۲) قِیْلَ مُصِیْبُوْنَ اِذَا ظَنُّوْا فَکَاَنَّھُمْ حُدِّثُوْا بِشَیْءٍ فَظَنُّوْہُ ۔یعنی کہا گیا ہے کہ وہ ہیں کہ جب کسی چیز کا یقین رکھتے ہیں، تو درستگی کو پہنچتے ہیں، تو گویا کہ وہ کسی چیز کی خبر دیتے ہیں، تو اس کا یقین رکھتے ہیں۔

(۳) قِیْلَ تُکَلِّمُھُمُ الْمَلَائِکَۃُ ۔یعنی وہ ہیں کہ جن سے فرشتے کلام کرتے ہیں۔

(۴) قَالَ الْبُخَارِیُّ یَجْرِی الصَّوَابُ عَلٰی اَلْسِنَتِهِمْ۔ یعنی بخاری نے فرمایا کہ (وہ ہیں کہ)، ''ان کی زبانوں پر درست کلام ہی جاری ہوتا ہے۔''

(شرح صحیح مسلم للنووی۔ جلد۲۔ صفحہ ۲۷۶)

صاحبِ الہام

☆ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا، ''لَقَدْ کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ رِجَالٌ یُکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِکُمْ اَنْ یَکُوْنُوْا اَنْبِیَاءَ فَاِنْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِیْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ۔ یعنی تم سے پہلے لوگوں یعنی بنی اسرائیل میں ایسے لوگ بھی ہوا کرتے تھے، جن سے (ملائکہ کی طرف سے) کلام کیا جاتا تھا، حالانکہ وہ نبی نہ تھے۔ ان میں سے میری امت کے اندر بھی کوئی ہے، تو وہ عمر ہے۔''

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ) ....)

فائدہ:۔

یہاں ''اگر'' کا لفظ شک وتردد کے لئے نہیں۔ کیونکہ جب پچھلی امتوں میں ایسے اعلیٰ مرتبے کے حامل افراد موجود تھے، تو تمام سابقہ امتوں پر فضیلت رکھنے والی اس امت میں، تو بدرجہ اولیٰ موجود ہوں گے۔ بلکہ یہ تاکید یعنی فقط اپنی بات کو پختہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ جیسا کہا جاتا ہے، اِنْ یَکُنْ لِیْ صَدِیْقٌ فَاِنَّهٗ فُلَانٌ۔ یعنی اگر میرا کوئی دوست ہے، تو وہ فلاں ہے۔

آپ کا دین میں کامل ہونا

☆ حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (ﷺ) کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَیْتُ النَّاسَ عُرِضُوْا عَلَیَّ

وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِىَّ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ دُوْنَ ذٰلِكَ وَعُرِضَ عَلَىَّ عُمَرُ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ ن اِجْتَرَّهُ۔ یعنی میں سورہا تھا کہ لوگوں کو میری خدمت میں پیش کیا گیا، وہ قمیصیں پہنے ہوئے تھے۔ پس ان میں سے بعض تو وہ تھے کہ جن کی قمیص سینے تک آتی تھی اور کسی کی اس سے بھی اونچی تھی، لیکن جب عمر کو میرے سامنے پیش کیا گیا، تو ان کی قمیص زمین پر لٹک رہی تھی۔"...لوگوں نے عرض کی،" یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ اس سے کیا تعبیر لیتے ہیں؟"...فرمایا،" دین۔"

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم))

فائدہ:۔

یہ حدیثِ پاک، حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے دین میں کامل واکمل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یہاں بھی بظاہر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) پر فضیلت رکھنے کا گمان ہوتا ہے، لیکن حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ علامہ عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں،" خُصَّ اَبُوْبَكْرٍ مِنْ عُمُوْمِ قَوْلِهٖ عُرِضَ عَلَىَّ النَّاسُ وَيَحْتَمِلُ اَنَّ اَبَابَكْرٍ لَمْ يَكُنْ فِى الَّذِيْنَ عُرِضُوْا۔ یعنی رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قول مبارک" لوگوں کو پیش کیا گیا" کے عموم سے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو خاص کرلیا گیا ہے، (یعنی آپ بھی ان میں تھے، لیکن حضرت عمر کی فضیلت، آپ کے علاوہ لوگوں پر تھی) اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) پیش کئے جانے والے لوگوں میں موجود ہی نہ ہوں۔" (عمدۃ القاری۔ جلد۱۱۔ صفحہ۴۲۲)

سرکارِ دوعالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آپ سے حد درجہ محبت

☆ حضرت عبداللہ بن ہشام (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں، "کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) وَھُوَ اٰخِذٌ بِیَدِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ۔ یعنی ہم نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہمراہ تھے اور آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔"

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

یہ روایت رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے حد درجہ محبت ومودت پر دلالت کر رہی ہے۔ نیز اس اظہارِ اپنائیت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا صاحبِ فضل عظیم ہونا بھی معلوم ہوا۔

آپ کا مقام دوسرے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہ) کی نظر میں

☆ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں: "کُنَّا فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) لَا نَعْدِلُ بِاَبِیْ بَکْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُکُ اَصْحَابَ النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) لَا نُفَاضِلُ بَیْنَھُمْ۔ یعنی ہم نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ مقدسہ میں کسی کو حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے برابر نہیں سمجھتے تھے، پھر حضرت عمر کے اور پھر حضرت عثمان کے۔ پھر ہم اصحابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک دوسرے پر فضیلت دیئے بغیر چھوڑ دیا کرتے تھے۔" (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

اس حدیثِ پاک سے شیخین کریمین کے بعد سیدنا عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کا دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہ) سے افضل ہونا ثابت ہوا۔ بقیہ کلام صفحہ.....22 پر گزر گیا۔

زمین پر مدنی آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وزیر

☆ حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "مَامِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَ لَهٗ وَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ السَّمَآءِ وَوَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ ۔ یعنی ہر نبی کے لیے دو وزیر آسمان والوں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں ۔ فَاَمَّا وَزِيْرَایَ مِنْ اَهْلِ السَّمَآءِ فَجِبْرَئِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَاَمَّا وَزِيْرَایَ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ. پس میرے آسمانی وزیر، حضرت جبرئیل ومیکائیل ..اور ..زمین والے، حضرت ابوبکر و عمر ہیں ۔" (ترمذی ۔ ابواب المناقب)

فائدہ:۔

صفحہ.....48 پر اس کے بارے میں بھی کلام گزر گیا۔

سیدنا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور آپ کی مثال

☆ حضرت عبداللہ بن حطب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھ کر فرمایا' هٰذَانِ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ. (مسلمانوں میں) یہ کان اور آنکھ (کی طرح) ہیں ۔ (ترمذی ۔ ابواب المناقب)

فائدہ:۔

صفحہ.43 پر اس کے بارے میں بھی کلام گزر گیا۔

آپ کا سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مانوس ہونا

☆ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے ۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) مہاجرین و انصار صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف لائے حضرت ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) بھی ان میں ہوتے لیکن ان دو حضرات کے علاوہ کوئی بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا حضرت ابوبکر و عمر (رضی

اللہ عنہما)، حضور کی طرف اور حضور ان کی طرف دیکھتے اور مسکراتے۔"

(ترمذی۔ابواب المناقب)

فائدہ:۔

اس پر کلام ماقبل میں گزر چکا۔

آپ کا مقام جنت میں

☆ حضرت ابوسعید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا، "اعلے درجات والوں کو نچلے درجے والے ایسے دیکھیں گے، جیسے تم آسمان کے افق میں طلوع ہونے والے ستاروں کو دیکھتے ہو، **وَاِنَّ اَبَابَکْرٍ وَّعُمَرَ مِنْھُمْ** یعنی ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) بھی ان ہی میں سے ہیں۔" (ترمذی۔ابواب المناقب)

فائدہ:۔ اس پر کلام گزر گیا۔

آپ کی فضیلت بزبان سیدنا ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ)

☆ حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے، سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کو یوں مخاطب کیا، "**یَا خَیْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ** (ﷺ) !" یعنی اے رسول اللہ (ﷺ) کے بعد سب سے بہتر انسان!۔" حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا، سنئے اگر آپ یہ کہتے ہیں، تو بے شک میں نے بھی رسول اللہ (ﷺ) سے سنا ہے کہ، "**مَاطَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلٰی رَجُلٍ خَیْرٌ مِّنْ عُمَرَ** ۔یعنی سورج، کسی ایسے مرد پر طلوع نہیں ہوا، جو عمر سے بہتر ہو۔" (ترمذی۔ابواب المناقب)

فائدہ:۔ اس پر کلام گزر گیا۔

جسے آپ سے محبت نہیں، اسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پیار نہیں

☆ حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں، "مَا اَظُنُّ رَجُلاً یَنْتَقِصُ اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ یُحِبُّ النَّبِیَّ (صلی اللہ علیہ وسلم) ۔یعنی میرے خیال میں حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کی تنقیص کرنے والا نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت نہیں رکھتا۔ (ترمذی۔ ابواب المناقب)

فائدہ:۔ کلام گزر گیا۔

یومِ محشر میں آپ کی عظمت

☆ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے، رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ ثُمَّ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ۔یعنی سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، پھر ابوبکر وعمر کی۔ ثُمَّ اٰتِیْ اَهْلَ الْبَقِیْعِ فَیُحْشَرُوْنَ مَعِیَ ۔پھر میں جنت البقیع والوں کے پاس آؤں گا، تو وہ میرے پاس جمع ہوں گے۔ ثُمَّ اَنْتَظِرُ اَهْلَ مَکَّةَ حَتّٰی اُحْشَرَ بَیْنَ الْحَرَمَیْنِ ۔پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا، یہاں تک کہ حرمین طیبین کے درمیان ان سے آملوں گا۔" (ترمذی)

فائدہ:۔ کلام گزر گیا۔

آپ کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر

☆ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا کہ ایک چاندنی رات میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ میں نے عرض کی، "هَلْ یَکُوْنُ لِاَحَدٍ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدُ نُجُوْمِ السَّمَآءِ؟ ۔یعنی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں؟"....فرمایا، "نَعَمْ عُمَرُ ۔ہاں عمر کی۔"....میں

نے عرض کی، ''اَیْنَ حَسَنَاتُ اَبِیْ بَکْرٍ؟ ''.....یعنی حضرت ابوبکر کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟''.....آپ نے ارشاد فرمایا، ''اِنَّمَا جَمِیْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ کَحَسَنَةٍ وَاحِدَةٍ مِّنْ حَسَنَاتِ اَبِیْ بَکْرٍ۔ یعنی عمر کی ساری نیکیاں، ابوبکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کی مثل ہیں۔'' (مشکوۃ۔باب مناقب ابی بکر وعمر (رضی اللہ عنہما) بحوالہ رزین)

فائدہ:۔

یہ حدیث ِ پاک جہاں حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کو ظاہر فرما رہی ہے، وہیں باعتبارِ کثرتِ نیک اعمال، سیدنا عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کی اہمیت وعظمت پر بھی دال ہے۔

آپ کی رائے، آیاتِ قرانی کے موافق

☆ حضرت انس اور حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا، ''وَافَقْتُ رَبِّیْ فِیْ ثَلٰثٍ۔ یعنی تین باتوں میں میرے رب نے میری موافقت فرمائی۔

میں عرض گزار ہوا کہ ''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) اَلَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلّٰی ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کاش ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ ٹھہرالیں، فَنُزِلَتْ، وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (ترجمہ کنزالایمان۔ یعنی اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔ البقرۃ ۱۲۵)

اور میں نے عرض کی، ''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) اِیَدْخُلُ عَلٰی نِسَائِکَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْاَمَرْتَھُنَّ یَحْتَجِبْنَ فَنُزِّلَتْ آیَةُالْحِجَابِ۔ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ کی اہل بیت کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، بھلے بھی اور برے بھی۔

کاش! آپ انہیں پردے کا حکم فرمائیں۔" تو پردے کی آیت نازل ہو گئی۔

اور ایک مرتبہ نبی کریم (ﷺ) کی ازواج مطہرات غیرت کھا کر جمع ہو گئیں، تو میں عرض گزار ہوا، "عَسٰی رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ. فَنَزَلَتْ كَذٰلِكَ۔" اگر آپ انہیں طلاق دے دیں، تو قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو ان سے بہتر بدلے میں عطا فرمائے۔" (التحریم ۵)۔ تو پس اسی طرح حکم نازل ہو گیا۔" (مشکوۃ۔ باب مناقب عمر (رضی اللہ عنہ)۔ بحوالہ متفق علیہ)

فائدہ:۔

اس روایت سے بارگاہِ رب العزت میں مقام عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کا اندازہ کرنا دشوار نہیں۔

جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ

☆ حضرت ابوسعید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، "ذٰلِكَ الرَّجُلُ اَرْفَعُ اُمَّتِيْ دَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ۔ یعنی میری امت کا ایک مخصوص شخص جنت میں سب سے اعلیٰ درجے والا ہے۔"....راوی فرماتے ہیں، "وَاللّٰهِ!مَا كُنَّا نَرٰى ذَاكَ الرَّجُلَ اِلَّا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ۔ یعنی خدا کی قسم! ہم اس آدمی سے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو ہی مراد لیا کرتے تھے، یہاں تک آپ کا وصال ہو گیا۔" (مشکوۃ۔ باب مناقب عمر (رضی اللہ عنہ) بحوالہ ابن ماجہ)

فائدہ:۔

راوی کے قول کو درست تسلیم کرنے کی صورت میں حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کا، سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ بالاتفاق

آپ عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) سے افضل واعلیٰ ہیں۔ ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس اشکال کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں، ''اس مخصوص شخص سے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا مراد لیا جانا، بعض کے نزدیک مظنون ہے، چنانچہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جمہور کے نزدیک بھی آپ، حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے افضل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) (فقط) اپنے زمانہ خلافت میں سب سے افضل تھے۔ چنانچہ اشکال باقی نہ رہا۔'' (المرقاۃ)

رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا آپ کے لئے دعا کرنا

☆ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعا مانگی، ''اَللّٰھُمَّ! اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ ھٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ اِلَیْکَ بِاَبِیْ جَھْلٍ وَبِعُمَرَابْنِ الْخَطَّابِ ۔ یعنی اے اللہ! ان دو آدمیوں یعنی ابو جہل یا عمر بن خطاب میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے، اس کے ذریعے اسلام کو غلبہ عطا فرما۔''.....راوی فرماتے ہیں، ''وَکَانَ اَحَبَّھُمَا اِلَیْہِ عُمَرُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) زیادہ محبوب تھے۔'' (ترمذی۔ مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

چونکہ دعائے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اللہ تعالیٰ سے اس کے زیادہ محبوب کے قبول اسلام کی درخواست کی گئی تھی اور عرض رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی رد نہیں ہوتی، لھذا اللہ تعالیٰ کے عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کو منتخب فرما لینے سے واضح ہو گیا کہ آپ، بارگاہِ الٰہی میں بہت زیادہ مقبول ومحبوب ہیں۔

آپ کے دل وزبان پر حق کا جاری ہونا

☆ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے رسول اکرم (ﷺ) نے فرمایا، ''اَنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق جاری کر دیا ہے۔''.... حضرت ابن عمر فرماتے تھے، ''مَا نَزَلَ بِالنَّاسِ اَمْرٌ قَطُّ فَقَالُوْا فِیْہِ وَقَالَ فِیْہِ عُمَرُ اِلَّا نَزَلَ فِیْہِ الْقُرْآنُ عَلٰی نَحْوِ مَا قَالَ عُمَرُ ۔ یعنی جب کبھی لوگوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا، تو لوگ اپنی رائے پیش کرتے اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) بھی اپنی رائے دیتے، پھر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی رائے کے مطابق قرآن نازل ہوتا۔'' (ترمذی۔ مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس حدیثِ پاک سے حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا علم ہوتا ہے۔ کیونکہ جس کی زبان و دل پر حق ظاہر ہونے کی گواہی خود اللہ کے رسول (ﷺ) ارشاد فرمائیں، اس کے بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہونے کون شک کر سکتا ہے؟....

عظیم مرتبہ

☆ حضرت عقبہ بن عامر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے نبی اکرم (ﷺ) نے فرمایا، ''لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ۔ یعنی اگر میرے بعد نبی ہوتا، تو عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) ہوتے۔'' (ترمذی۔ مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

مراد یہ ہے کہ انبیاء (علیہ السلام) احقاق حق اور ابطال باطل کے سلسلے میں جن خصوصیات سے متصف ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ میں انہیں کی مثل صفات

ودیعت فرمائیں۔لیکن چونکہ نبوت وہبی شے ہے، کسبی نہیں، چنانچہ آپ ان خصوصیات وصفات کاملہ کی بناء پر دیگر امت سے افضل ضرور ہوں گے، لیکن نبی نہیں۔

آسمان والوں کی خوشی

☆ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) اسلام لائے، تو حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نازل ہوئے اور بولے "یَامُحَمَّدُ! لَقَدِ اسْتَبْشَرَ اَهْلُ السَّمَاءِ بِاِسْلَامِ عُمَرَ۔ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آسمان والوں نے عمر کے قبولِ اسلام کی خوشی منائی ہے۔"

(ابن ماجہ، ابواب فضائل اصحاب رسول اللہ (ﷺ))

اسلام کے لئے باعث تقویت

☆ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) راویہ ہیں کہ رحمت عالم (ﷺ) نے دعا کی کہ "اَللّٰهُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً۔ اے اللہ اسلام کو عمر کے ذریعے خاص طور پر عزت عطا فرما۔" (ابن ماجہ، ابواب فضائل اصحاب رسول اللہ (ﷺ))

فائدہ:۔

اس سے ماقبل حدیثِ پاک سے معلوم ہوا تھا کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا قبول اسلام، اللہ تعالٰی کی رضا سے تھا، جب کہ رحمتِ عالم (ﷺ)، ابو جہل و عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) دونوں میں سے کسی ایک کے اسلام لانے پر راضی تھے۔لیکن اس روایت نے ثابت کر دیا کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا اسلام کی جانب پیش رفت کرنا دراصل، محبوب ومحبّ دونوں کی رضا سے تھا۔اس سے عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کی عظمت واہمیت کا علم حاصل ہوتا ہے۔

﴿حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ﴾

آپ عام الفیل کے چھ برس بعد پیدا ہوئے۔ابتداء میں ہی حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی دعوت پر قبول اسلام فرمایا۔آپ نے دین اسلام کی راہ میں دوبار ہجرت فرمائی۔ایک مرتبہ مکہ سے حبشہ اور دوسری حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف۔رحمتِ عالم کی صاحبزادی بی بی رقیہ (رضی اللہ عنہا) سے آپ کا نکاح اعلان نبوت سے قبل ہی ہوگیا تھا۔غزوہ بدر کے زمانے میں ان کا انتقال ہوا، پھر دوسری صاحبزادی ام کلثوم سے نکاح فرمایا۔

آپ واحد شخص ہیں جنہیں کسی نبی کی دو صاحبزادیوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کا شرف حاصل ہوا، اسی سبب سے **ذُوالنُّورَین** کہلاتے ہیں۔آپ بے حد شرم وحیاء والے تھے۔دین اسلام کی راہ میں کثرت سے مال ومتاع بھی خرچ فرمایا۔آپ بے حد خوبصورت تھے۔ابن عساکر، عبیدالہ بن خزم الحازنی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ خوبرو مردوں اور عورتوں میں کسی اور کو نہ پایا۔"

ابن عساکر، حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک مرتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے کچھ گوشت دے کر حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کے گھر بھیجا۔جب میں وآپ کے گھر میں گیا، تو بی بی رقیہ (رضی اللہ عنہا) بھی آپ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔میں کبھی بی بی رقیہ (رضی اللہ عنہا) کی چہرے کی جانب دیکھتا [1]، کبھی حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کے رخ انور کی طرف۔جب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

---

[1]:۔غالباً اسامہ اس وقت کمسن تھے..یا..یہ واقعہ، حکم پردہ نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔۱۲منہ

خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا، تو رسول اللہ (ﷺ) نے مجھ سے دریافت فرمایا، ''اسامہ! تم عثمان کے گھر میں گئے تھے؟'' میں نے عرض کی، ''جی ہاں۔'' ارشاد فرمایا، ''کیا تم نے کبھی ان دونوں میاں بیوی سے زیادہ خوبصورت کسی کو دیکھا ہے؟''... میں نے عرض کی، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! کبھی نہیں۔''

ایک روز سیدنا عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) تاجدارِ مدینہ (ﷺ) کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آج آپ کی میرے گھر دعوت ہے۔'' سرکارِ مدینہ (ﷺ) نے قبول فرمالیا اور اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سمیت سیدنا عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کے گھر تشریف لے چلے۔ آپ سرکارِ دوعالم (ﷺ) کے پیچھے پیچھے چلے اور قدمانِ مبارک گننے لگے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے دریافت فرمایا ''اے عثمان (رضی اللہ عنہ) میرے قدم کیوں گن رہے ہو؟'' حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ایک ایک قدم کے عوض، آپ کی تعظیم وتوقیر کی خاطر ایک ایک غلام آزاد کروں۔'' چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ (جامع المعجزات)

بارہ سال منصبِ خلافت پر فائز رہنے کے بعد کچھ غلط فہمیوں کی بناء پر چند لوگوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ تھوڑا عرصہ محاصرہ جاری رہنے کے بعد محافظین سے نظر بچا کر تین آدمی آپ کے گھر میں گھس گئے اور آپ کو شہید کردیا۔

ایک قول کے مطابق ماہ ذی الحجہ کے ایام تشریق میں ۳۵ھ میں شہادت پائی۔ بعض کے نزدیک تاریخ وفات ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ یوم جمعہ ہے۔

﴿قرآن واحادیث سے حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کے فضائل﴾

☆اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، "لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔ ترجمہ: بے شک اللہ راضی ہوا، ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔ (پ ۲۶۔ الفتح ۱۸)".....

فائدہ:۔ اس کے تحت کلام آگے آرہا ہے۔

☆اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ وَاللّٰہِ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ وہ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لئے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے، وہ رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (پ ۲۔ بقرہ۔ ۲۱۸)

شیخین کے بعد آپ کا مرتبہ

☆حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ "کُنَّا نُخَیِّرُ بَیْنَ النَّاسِ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) فَنُخَیِّرُ اَبَا بَکْرٍ ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ (رضی اللہ عنہم)۔ یعنی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ مبارکہ میں جب ہم صحابہ کرام کے درمیان کسی کو ترجیح دیتے، تو حضرت ابوبکر کو (سب پر) ترجیح دیا کرتے، پھر حضرت عمر بن خطاب کو، پھر حضرت عثمان بن عفان کو (رضی اللہ عنہم)۔"

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

اس کے بارے میں صفحہ 22. پر کلام گزر گیا۔

لوگوں میں سب سے بہتر

☆حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد محترم

(حضرت علی) سے دریافت کیا کہ **اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ**؟ یعنی رسول اللہ (ﷺ) کے بعد، لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟... فرمایا، ''ابوبکر (رضی اللہ عنہ)۔'' میں نے پوچھا، ''**ثُمَّ مَنْ**؟ پھر کون ہے؟''... فرمایا، ''**ثُمَّ عُمَرُ** ۔ یعنی پھر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔''... اور میں ڈرا کہ (اب) حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کا نام لیں گے۔ چنانچہ میں نے کہا، ''**ثُمَّ اَنْتَ**؟ یعنی پھر آپ ہیں؟... فرمایا، **مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ**۔ یعنی میں تو مسلمانوں میں ایک معمولی سا شخص ہوں۔''

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ)......)

فائدہ:۔ صفحہ 30 پر کلام گزر گیا۔

جنت کی بشارت

☆ حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر میں وضو کیا، پھر باہر نکلا، تو میں ارادہ کیا کہ آج ضرور رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت کروں گا اور ضرور آپ کی بارگاہ میں حاضر رہوں گا۔ پس میں مسجد میں آیا اور نبی کریم (ﷺ) کے متعلق پوچھا۔ لوگوں نے ایک سمت کے بارے میں بتایا کہ آپ ادھر تشریف لے گئے ہیں۔ میں نقش قدم دیکھتا اور لوگوں سے پوچھتا ہوا چلتا رہا، یہاں تک کہ اریس کے کنویں پر جا پہنچا اور اس کے کھجور کے بنے ہوئے دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ جب رسول اللہ (ﷺ) قضائے حاجت سے فارغ ہوئے اور آپ نے وضو فرما لیا، تو میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گیا۔

آپ کنویں کی منڈیر پر تشریف فرما ہو گئے اور اپنی پنڈلیاں کھول کر انہیں کنوئیں میں لٹکا لیا۔ میں سلام کر کے دروازے کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور ارادہ کیا کہ آج میں

ضرور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دربان بن کر رہوں گا۔ پھر (کچھ دیر بعد) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا، "کون ہے؟"... انہوں نے فرمایا، "ابوبکر۔" ...میں نے عرض کی کہ "ذرا ٹھہریئے۔"... پھر میں جا کر عرض گزار ہوا، "یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! ابوبکر حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔"... فرمایا، "اِئْذِنْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ۔ یعنی انہیں اجازت دے دو اور انہیں جنت کی خوشخبری سناؤ۔" میں نے آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر سے کہا کہ اندر آجایئے اور رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ پس حضرت ابوبکر آکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں جانب چبوترے پر بیٹھ گئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثل اپنی پنڈلیاں کھول کر، ٹانگیں کنوئیں میں لٹکا لیں۔ میں واپس آکر اپنی اسی جگہ بیٹھ گیا۔ میں اپنے بھائی کو وضو کرتے ہوئے چھوڑ آیا تھا اور وہ بھی میرے ساتھ آنا چاہتا تھا۔ میں نے سوچا، اگر اب اللہ تعالیٰ کسی کو یہاں بھیجنے کے سلسلے میں کرم فرمائے، تو کاش! وہ میرے بھائی کو بھی ساتھ لیتا آئے۔

اسی اثنا میں کسی نے دروازے کو حرکت دی۔ میں نے پوچھا، "کون ہے؟"... جواب دیا کہ "عمر بن خطاب ہوں۔"... میں نے عرض کی، "ذرا ٹھہریئے۔"... پھر میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا سلام عرض کیا اور کہا، "حضرت عمر اجازت طلب کر رہے ہیں۔"... فرمایا، "اِئْذِنْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ۔ یعنی انہیں اجازت دو اور جنت کی بشارت سناؤ۔ میں انہیں بشارت سنا کر اندر لے آیا۔ آپ اندر تشریف لائے اور چبوترے پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بائیں جانب بیٹھ گئے اور اپنے دونوں پیر کنوئیں میں لٹکا لئے۔ پھر میں واپس آکر بیٹھ گیا اور اپنے جی میں کہا کہ کاش! اللہ تعالیٰ میرے بھائی کے ساتھ بھی بھلائی کا ارادہ فرمائے۔

پھر کسی نے دروازہ کو حرکت دی۔ میں نے پوچھا، ''کون ہے؟''....جواب دیا، ''عثمان بن عفان۔''....میں نے کہا، ''ذرا ٹھہریئے۔''....پس میں رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو بتایا۔ فرمایا، ''اِئْذِنْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ عَلٰی بَلْوٰی تُصِیْبُہٗ۔ یعنی انہیں اجازت دے دو اور جنت کی بشارت سناؤ اور ایک مصیبت انہیں پہنچے گی۔''....پس میں نے انہیں یہ بات بتائی۔ آپ بھی اندر داخل ہوئے اور منڈیر کو بھرا ہوا دیکھ کر دوسری جانب بالمقابل جا بیٹھے۔

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ)......)

فائدہ:۔ کلام گزر گیا۔

جنت کی ضمانت

☆ مروی ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا، ''مَنْ یَّحْفِرُ بِئْرَ رُوْمَۃَ فَلَہُ الْجَنَّۃُ۔ یعنی جو رومہ کنوئیں کو کھدوائے، اس کے لیے جنت ہے۔''....پس اسے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے کھدوایا۔ اور فرمایا، ''مَنْ جَھَّزَ جَیْشَ الْعُسْرَۃِ فَلَہُ الْجَنَّۃُ۔ یعنی جو تنگی والے لشکر کا سامان مہیا کر دے، اس کے لئے جنت ہے۔''....تو حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے اس کے لئے سامان فراہم فرمایا۔''

(بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (ﷺ)......)

فائدہ:۔

بئر، کنویں کو کہتے ہیں..اور..رومہ، ایک چشمے کا نام تھا۔ اس کا واقعہ عمدۃ القاری میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ، ''بشر بن بشیر اسلمی (رضی اللہ عنہ) اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ جب مہاجرین، ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے، تو مدینہ منورہ

میں ایک شخص کی ملک میں ایک چشمہ تھا، جسے رومہ کہاجاتا تھا۔وہ اس کی ایک مشک ،ایک مد (یعنی تقریبا ۸۰ تولے) غلے کے بدلے میں بیچا کرتا تھا۔رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سے فرمایا،"تو اسے، مجھے جنت کے ایک چشمے کے بدلے میں بیچ دے۔"اس نے عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میرے اور میرے اہل وعیال کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ روزی نہیں ہے۔"

یہ بات سیدنا عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) تک پہنچی، تو آپ نے اس شخص سے یہی چشمہ پینتیس ہزار (۳۵۰۰۰) درھم میں خرید لیا اور بارگاہِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عرض گزار ہوئے، "کیا آپ میرے لئے بھی وہی قیمت مقرر فرمائیں گے، جو اس شخص کو ارشاد فرمائی تھی؟"...سرکار مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، ہاں۔"...آپ نے عرض کی، تو پھر میں اسے مسلمانوں کے لئے وقف کرتا ہوں۔" (عمدۃ القاری۔جلد۔۱۰۔صفحہ ۶۷)

روایت میں کنواں کھدوانے کا ذکر ہے، حالانکہ حقیقتاً وہ ایک چشمہ تھا۔اس کی کئی تاویلات کی گئی ہیں۔

(۱) یہ بعض راویوں کا اپنا خیال ہے۔

(۲) ہوسکتا ہے کہ اسے خریدنے کے بعد آپ نے اس میں کنواں کھدوادیا ہو۔

(۳) یہ بھی احتمال ہے کہ اس چشمے کا پانی کسی کنویں تک جاری ہوتا ہو اور آپ نے اسے وسیع کروادیا ہو، اس وجہ سے کھودنے کو آپ کی جانب منسوب کردیا گیا۔واللہ اعلم (ایضاً)

جیش عسرہ کے بارے میں تفصیل ان شاءاللہ (عزوجل) کچھ آگے آئے گی۔

آپ کی دیگر صحابہ پر فضیلت

☆حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں، "کُنَّا فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) لَا نَعْدِلُ بِاَبِیْ بَکْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُکُ اَصْحَابَ النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) لَا نُفَاضِلُ بَیْنَهُمْ ۔یعنی ہم نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ مقدسہ میں کسی کو حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے برابر نہیں سمجھتے تھے، پھر حضرت عمر کے اور پھر حضرت عثمان کے۔ پھر ہم اصحابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک دوسرے پر فضیلت دیئے بغیر چھوڑ دیا کرتے تھے۔" (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔ کلام گزر گیا۔

آپ کی حیاء

☆مروی ہے کہ رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں ارشاد فرمایا، "اَلَا اَسْتَحْیِیْ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْیِیْ مِنْهُ الْمَلَائِکَةُ ۔یعنی کیا میں اس شخص سے حیاء نہ کروں کہ جس سے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں۔"

(مشکوۃ۔ باب مناقب عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) بحوالہ مسلم)

فائدہ:۔

حیاء ایک صفتِ جمیلہ اور صفاتِ ملائکہ میں سے ہے۔ حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) سے فرشتوں کے حیاء فرمانے سے متعلق ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نقل فرماتے ہیں کہ "حافظ سخاوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے اس مقام کے بارے میں سوال کیا گیا، جہاں فرشتوں نے عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) سے حیاء کی تھی، تو میں نے جواب دیا کہ میں کسی قابل اعتماد حدیث میں اس پر واقف نہ ہو سکا،

لیکن ہمارے استاد بدر نسابہ نے اپنی بعض مجامع میں جمال کازرونی سے روایت کیا کہ "جب رحمتِ کونین (ﷺ) نے مدینہ منورہ میں، انس بن مالک کی غیر موجودگی میں مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی اور سیدنا عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) اس کے لئے آگے بڑھے، تو آپ کا سینہ کھلا ہوا تھا، جس کے باعث فرشتے شرم کرتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔ چنانچہ نبی اکرم (ﷺ) نے آپ کو سینہ ڈھکنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ جب آپ نے سینہ ڈھک لیا، تو فرشتے اپنی جگہ واپس آ گئے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے فرشتوں سے ان کے پیچھے ہٹنے کا سبب دریافت فرمایا، تو انہوں نے جواب دیا "حَیَاءً مِنْ عُثْمَانَ۔ یعنی حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) سے حیاء کی وجہ سے۔" (مرقاۃ۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۳۲۰)

جنت میں رفیق

☆ حضرت طلحہ بن عبید اللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے رسول کریم (ﷺ) نے فرمایا، "لِکُلِّ نَبِیٍّ رَفِیْقٌ وَرَفِیْقِی یَعْنِی فِی الْجَنَّۃِ عُثْمَانُ۔ یعنی ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور جنت میں میرا رفیق عثمان ہے"۔

(ترمذی۔ باب مناقب عثمان (رضی اللہ عنہ))

مذکورہ حدیث میں رفیق سے مراد، رفیق خاص ہے۔ اگر اس روایت کے ظاہری معنی پیش نظر رکھیں جائیں، تو سیدنا عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کی شیخین کریمین (رضی اللہ عنہما) پر افضلیت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقۃً ایسا نہیں ہے، وجہ یہ ہے کلام سرکار (ﷺ) سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ آپ کے علاوہ کوئی اور رسول اکرم (ﷺ) کا

رفیق نہیں۔اس کی تائید طبرانی شریف میں عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے مروی اس حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے،"اِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ خَاصَّۃً مِنْ اَصْحَابِہٖ وَاِنَّ خَاصَّتِیْ مِنْ اَصْحَابِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ۔یعنی بے شک ہر نبی کے لئے اس کے اصحاب میں سے ایک مقرب ہوتا ہے اور میرے اصحاب میں سے میرے مقرب ابوبکر وعمر ہیں۔" (رضی اللہ عنہم)(مرقاۃ۔جلد۱۱۔صفحہ۳۲۲)

آپ جو کچھ کریں معاف ہے۔

☆ حضرت عبدالرحمٰن بن خباب (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں،"میں بارگاہِ نبوی (ﷺ) میں حاضر تھا،آپ جَیْش عُسْرَۃ کے متعلق لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے۔حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) نے اٹھ کر عرض کی،"یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! اللہ کے راستہ میں سو اونٹ مع سامان میرے ذمہ ہیں۔"...حضور نے پھر ترغیب دلائی،حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) پھر اٹھے اور عرض کی،"یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! اللہ کے راستے میں دوسو اونٹ مع سامان میرے ذمہ ہیں۔"...حضور (ﷺ) نے تیسری مرتبہ ترغیب دلائی،حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) پھر اٹھے اور عرض کی،"یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)!میرے ذمہ اللہ کے راستے میں سامان سمیت تین سو اونٹ ہیں۔"...

(راوی فرماتے ہیں) میں نے دیکھا نبی اکرم (ﷺ) منبر سے نیچے تشریف لاتے ہوئے فرمار ہے تھے،"مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ ھٰذِہٖ،مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ ھٰذِہٖ ۔یعنی اس کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے،اس پر کوئی گرفت نہیں،اس کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے،اس پر کوئی گرفت نہیں۔"

(ترمذی۔باب مناقب عثمان (رضی اللہ عنہ))

:-

جیش، عربی میں لشکر اور عسرۃ، تنگدستی کو کہتے ہیں۔ چونکہ غزوہ تبوک کے زمانے میں مسلمان، سخت تنگی وقحط میں مبتلاء تھے، لھذا اس کے لئے بھیجے گئے لشکر کو جیش عسرہ کہا جاتا تھا۔

حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی دوسری پیشکش میں پہلے والے اونٹ شامل نہ تھے، یونہی تیسری پیشکش، پہلے اور دوسرے اونٹوں کے علاوہ تھی۔ اس طرح کل چھ سو اونٹ راہِ خدا اور رسول (ﷺ) میں بطورِ نذر پیش فرمائے۔

اس جذبہ خدمتِ دین سے خوش ہوکر رسول اللہ (ﷺ) نے آپ کو آئندہ کے لئے امن وامان کی خوشخبری عنایت فرمائی، جس کا مطلب یہ تھا کہ اس خدمت کی برکت سے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے سبب، تمہاری پچھلی تمام لغزشوں کا کفارہ ہوگیا اور اس کے ساتھ ساتھ آئندہ بھی ہر قسم کی لغزش سے درگزر کیا جائے گا۔ گویا کہ اس کلام میں آپ کے لئے حسن خاتمہ کی بشارت عطا کی گئی تھی۔ (کما فی المرقاۃ)

جذبہ خدمت دین پر انعام

☆ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) ایک ہزار دینار لے کر بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں حاضر ہوئے، اس وقت رسول اللہ (ﷺ)، جیش عسرہ کی تیاری کررہے تھے۔ آپ نے وہ رقم، سرکارِ دوعالم (ﷺ) کی گودِ مبارک میں ڈال دی۔ میں نے نبی اکرم (ﷺ) کو دیکھا، آپ انہیں اپنی گود میں الٹ پلٹ رہے ہیں اور فرماتے ہیں، ''مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْیَوْمِ۔ یعنی آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کریں، انہیں نقصان نہیں دے گا''... یہ دو

مرتبہ فرمایا۔"(ترمذی۔باب مناقبِ عثمان (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس کا مطلب وہی ہے جو ماقبل حدیث کے تحت گزرا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ھاتھ،آپ کا ھاتھ

☆ حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، جب رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیعتِ رضوان کا حکم فرمایا، اس وقت حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ)، نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قاصد کی حیثیت سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے۔لوگوں نے بیعت کی،تو آپ نے ارشاد فرمایا،" اِنَّ عُثْمَانَ فِیْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ ۔ یعنی عثمان،اللہ اور اس کے رسول کے دین کی مدد کے لئے گئے ہیں۔"...

یہ فرماتے ہوئے آپ نے حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے اپنا ایک ہاتھ، دوسرے ہاتھ پر رکھا۔پس حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے لیے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دستِ مبارک،لوگوں کے اپنے ہاتھوں سے اچھا تھا۔"

(ترمذی۔باب مناقبِ عثمان (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

یہ واقعہ حدیبیہ کے مقام پر ظہور پزیر ہوا۔جس کا مدارج النبوت (صفحہ ۳۴۸)" کی روشنی میں مختصر بیان یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) عمرے کے ارادے سے مکۃ المکرّمہ روانہ ہوئے۔چونکہ ارادہ جنگ نہ تھا،لھذا ساتھ جانے والے تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو ہتھیار لینے سے منع فرمادیا۔جب مکے سے نو میل کے فاصلے پر حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا،تو کفار نے آپ کو مکے میں دخول سے روکنے کی

غرض سے ایک لشکر مرتب کیا۔ رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے مقصود کی وضاحت کی غرض سے عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کو مکہ میں بھیجا۔ جہاں آپ کو روک لیا گیا، اور یہ خبر مشہور ہوگئی کہ عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا گیا ہے۔ جب یہ خبر رسول اللہ (ﷺ) کو پہنچی، تو آپ کو رنج محسوس ہوا اور آپ نے ایک درخت کے نیچے صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) سے اس بات پر بیعت لی کہ اگر جنگ ہوئی، تو ثابت قدمی سے لڑیں گے۔

اس بیعت کو بیعتِ رضواں کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، "لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ ترجمہ: بے شک اللہ راضی ہوا، ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔ (پ۲۶۔ الفتح ۱۸)"۔....

آپ سے بغض کا نتیجہ

☆ حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے نبی اکرم (ﷺ) کی خدمت میں ایک جنازہ لایا گیا، تاکہ آپ اس پر نمازِ جنازہ ادا فرمائیں۔ لیکن آپ نے نماز جنازہ نہ پڑھی۔ عرض کیا گیا، "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! ہم نے آپ کو اس سے پہلے کسی کی نمازِ جنازہ چھوڑتے نہیں دیکھا؟"....آپ نے ارشاد فرمایا، "اِنَّهُ کَانَ یَبْغُضُ عُثْمَانَ فَاَبْغَضَهُ اللّٰهُ۔ یعنی یہ شخص حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) سے بغض رکھتا تھا، تو اللہ تعالے کا مبغوض ہوا۔" (ترمذی۔ باب مناقب عثمان (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کی محبت، اللہ کی محبت ہے اور آپ سے بغض میں مبتلاء ہونا، قہر الٰہی اور ناراضگی رسول (ﷺ) کو دعوت دیتا ہے۔

شرم و حیاء میں سچے

☆ حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، "اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَاَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ وَاَصْدَقُھُمْ حَیَاءً عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ۔ یعنی میری امت میں سے امت پر سب سے زیادہ مہربان، ابوبکر... احکام الٰہی میں سب سے زیادہ سخت، عمر... اور شرم و حیاء میں سب سے زیادہ سچے، عثمان بن عفان ہیں۔" (رضی اللہ عنہم)

(ترمذی۔ باب مناقب عثمان (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

شرم و حیاء، آپ کا ایک خصوصی وصف ہے، اس لئے اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا، یہ مطلب نہیں کہ آپ فقط اسی صفت سے متصف ہیں، بقیہ کوئی اور قابل ذکر صفت آپ میں موجود نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴾حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ﴿

آپ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سب سے لاڈلی صاحبزادی بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) آپ ہی کی زوجیت میں تھیں۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے کا شرف آپ ہی کو حاصل ہے۔ جس وقت ایمان لائے اس وقت عمر مبارک ۸ یا ۹ یا ۱۰ سال تھی۔ آپ بہت بڑے عالم، زبردست خطیب اور عظیم عبادت گزار تھے۔

اللہ پر بڑا کامل توکل رکھتے تھے۔ ابونعیم، جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک مقدمہ فیصلے کی غرض لایا گیا۔ آپ اس کی سماعت کے لئے ایک دیوار کے نیچے بیٹھ گئے۔ کسی نے عرض کی، ''حضور! یہ دیوار گرنے والی ہے، آپ یہاں سے اٹھ جائیے۔'' آپ نے ارشاد فرمایا، ''تم اپنا کام کرو، میری حفاظت کرنے والا میرا خدا ہے۔'' چنانچہ آپ نے مقدمہ سنا۔ جب فیصلہ سنا کر وہاں سے ہٹے، تو دیوار گر گئی۔''

آپ مستجاب الدعوات بھی تھے یعنی جو بھی دعا کرتے مقبول ہو جاتی۔ طبرانی نے زاذان کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے کوئی بات کہی۔ ایک شخص نے آپ کی اس بات کو جھٹلایا۔ آپ نے فرمایا، ''اگر تو جھوٹا ہے تو میں تیرے لئے بددعا کروں؟''... اس نے کہا، ''ضرور کیجئے۔'' آپ نے اس کے لئے بددعا فرمائی، ابھی وہ اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پایا تھا کہ اندھا ہو گیا۔''

آپ عدل وانصاف کے معاملے میں بے حد احتیاط پسند تھے، چاہے معاملہ خود اپنی ذات کا ہی ہوتا، شرعی تقاضوں کو پورا فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ دُرّاج، قاضی شُرَیح

کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ”جب حضرت علی (رضی اللہ عنہ) جنگ صفین میں شرکت کے لئے تیار ہوئے، تو ملاحظہ فرمایا کہ آپ کی زرہ غائب ہے۔ جب اختتام جنگ پر کوفہ تشریف لائے، تو اسے ایک یہودی کے پاس پایا۔ آپ نے اس سے فرمایا، ”یہ زرہ تو میری ہے، نہ میں نے تجھے فروخت کی، نہ ہبہ کی، پھر یہ تیرے پاس کہاں سے آ گئی؟“... اس نے کہا، ”یہ میری زرہ ہے اور میرے قبضے میں ہے۔“ آپ نے فرمایا، ”میں قاضی کے یہاں دعویٰ کرتا ہوں۔“ چنانچہ آپ قاضی شریح کے پاس تشریف لائے اور ان کے برابر بیٹھ گئے اور فرمایا، ”اگر میرا مخالف یہودی نہ ہوتا، تو میں اس کے برابر ہی مخصوص مقام میں کھڑا ہوتا، لیکن میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ جب اللہ عزوجل نے یہود کو حقیر سمجھا ہے، تو تم بھی انہیں حقیر سمجھو۔“ قاضی شریح نے دونوں فریقین کا دعویٰ سننے کے بعد آپ سے دریافت کیا، ”یا امیر المؤمنین! کیا آپ کے پاس کوئی گواہ ہے؟“... آپ نے فرمایا، ”ہاں ہیں، ایک میرا غلام قنبر اور دوسرا میرا بیٹا حسن۔“ قاضی نے کہا، ”بیٹے کی گواہی، باپ کے حق میں نادرست ہے۔“ آپ نے فرمایا، ”اہل جنت کی گواہی نادرست و ناجائز ہے؟ کیونکہ رسول اللہ () نے فرمایا ہے کہ ”حسن و حسین، اہل جنت کے سردار ہیں۔“... ابھی بات یہیں تک پہنچی تھی کہ اس یہودی نے بآواز بلند کہا، ”اے امیر المؤمنین! آپ مقدمے کے تصفیئے کے لئے مجھے قاضی کے پاس لے آئے، حالانکہ آپ صاحبِ اختیار ہیں اور قاضی صاحب نے بھی آپ سے اسی طرح جرح کی، جیسے عام لوگوں سے کی جاتی ہے، یہی آپ کے دین کی سچائی کی علامت ہے۔ بے شک زرہ آپ ہی کی ہے، میں صدق دل سے مسلمان ہوتا ہوں، اشھد لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ۔“

سوائے غزوہ تبوک کے تمام غزوات میں رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ رہے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ میں مرتبہ شہادت سے سرفراز فرمائے گئے۔ (تاریخ الخلفاء)

﴿آپ کے فضائل﴾

تم مجھ سے، میں تم سے

☆ مروی ہے کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، "اَنْتَ مِنِّی وَاَنَا مِنْکَ۔ یعنی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔"

(بخاری۔ باب مناقب علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)......)

فائدہ:۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھ سے علم وقرب ونسب کے اعتبار سے بے حد قریب ہو۔

رضائے مصطفی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حصول

☆ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ "تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) وَھُوَ عَنْہُ رَاضٍ ۔ یعنی جب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصال فرمایا، تو علی سے راضی تھے۔" (بخاری۔ باب مناقب علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)......)

فائدہ:۔

یقیناً جس سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) راضی ہو جائیں، اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے، لھذا معلوم ہوا کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے اللہ ورسول (صلی اللہ علیہ وسلم) راضی ہیں۔

فتح کا جھنڈا

☆ حضرت سلمہ بن اکوع (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ)، آنکھیں دکھنے کے باعث نبی کریم (ﷺ) کی فوج میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ آپ کو رسول اللہ (ﷺ) کی رفاقت کے چھوٹ جانے کا شدت سے احساس ہوا۔ چنانچہ آپ نکل کھڑے ہوئے اور رسول اللہ (ﷺ) سے جا ملے۔ جب اس رات کی شام ہوئی، جس کی صبح اللہ تعالیٰ نے فتح مرحمت فرمائی، تو رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا، "**لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلاً یُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَیْهِ** ۔ یعنی صبح یہ جھنڈا میں ضرور ایسے شخص کو دوں گا، جس کو اللہ اور اس کا رسول دوست رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے فتح سے نوازے گا۔"....

(راوی فرماتے ہیں کہ) اچانک ہماری ملاقات حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے ہوئی، حالانکہ ہمیں ان کے آنے کی کوئی امید نہ تھی۔ پس رسول اللہ (ﷺ) نے جھنڈا انہیں عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح مرحمت فرمائی۔"

(بخاری۔ باب مناقب علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ).......)

فائدہ:۔

یہ واقعہ غزوہ خیبر کا ہے۔ علامہ بدرالدین عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں، "حاکم کی اکلیل میں ہے کہ "رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو خیبر کے چند قلعوں کی جانب بھیجا، آپ نے قتال فرمایا، بہت کوشش کی، لیکن فتح حاصل نہ ہو سکی۔ پھر آپ نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو بھیجا، لیکن آپ بھی فتح حاصل نہ فرما سکے۔" (اس کے بعد وہ واقعہ ہوا جو حدیث میں مذکور ہے۔) (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۴۴)

تاریخ الخلفاء (صفحہ ۲۵۴) میں ہے کہ "ابورافع فرماتے ہیں، حضرت علی (رضی اللہ

عنہ) نے خیبر کے قلعے کا دروازہ اکھاڑ کر بہت دیر تک اپنے ہاتھوں پر رکھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا، قلعہ فتح ہونے پر اسے پھینک دیا۔ فراغت کے بعد ہم اسی (۸۰) افراد نے اسے اٹھانا چاہا، لیکن وہ ہلا بھی نہیں۔"

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں، "اس جنگ کے بعد رسول اللہ (ﷺ) کا جھنڈا، ہر مقام پر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رہا۔

حضرت جابر بن سمرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ)! بروزِ قیامت آپ کا جھنڈا کس کے ہاتھ میں ہوگا؟"... فرمایا، "مَنْ عَسٰی اَنْ یَحْمِلَهَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلَّا مَنْ کَانَ یَحْمِلُهَا فِی الدُّنْیَا عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِب۔ یعنی عنقریب بروزِ قیامت وہ شخص میرے جھنڈے کو اٹھائے گا، جو اسے دنیا میں اٹھائے گا یعنی علی بن ابی طالب۔" (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۴۴)

اے ابو تراب (مٹی والے)! اٹھو

☆ حضرت ابوحازم (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت سہل بن سعد سے شکایت کی کہ فلاں شخص، حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو منبر پر بیٹھ کر برا بھلا کہتا ہے۔"... انہوں نے دریافت کیا، " آخر وہ کہتا کیا ہے؟"... جواب دیا، "وہ ان کو ابوتراب کہتا ہے۔"... یہ ہنس پڑے اور فرمایا، " خدا کی قسم، ان کا یہ نام تو نبی کریم (ﷺ) نے رکھا ہے اور خود حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو یہ نام اپنے اصلی نام سے بھی پیارا ہے۔ پس راوی کو حضرت سہل سے پوری حدیث سننے کی طمع ہوئی، چنانچہ کہنے لگے، "اے ابوعباس! واقعہ کیا تھا؟"... فرمایا،

"حضرت علی (رضی اللہ عنہ) ایک روز بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس تھے

(کہ ان دونوں کے درمیان کوئی ایسی بات وقوع پزیر ہوئی، جس سے ناراض ہو کر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) گھر سے باہر نکل آئے) اور پھر مسجد میں آ کر لیٹ گئے۔ (ان کے جانے کے بعد) نبی کریم (ﷺ) (گھر تشریف لائے اور) بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے ان کے بارے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مسجد میں ہیں۔"...آپ تشریف لے گئے اور ملاحظہ فرمایا کہ ان پر سے چادر ہٹ گئی ہے، جس کی وجہ سے پیٹھ، مٹی سے آلودہ ہو گئی تھی۔ رسول اللہ (ﷺ) ان کی پیٹھ سے مٹی جھاڑنے لگے اور دو مرتبہ فرمایا، "اِجْلِسْ یَا اَبَا تُرَابٍ! یعنی اے ابوتراب! اٹھو۔"

(بخاری۔ باب مناقب علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ).......)

فائدہ:۔

اس واقعہ میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کا پہلو یہ ہے کہ رحمتِ عالم (رضی اللہ عنہ) خود ان کی جانب تشریف لے گئے اور اپنے دست اقدس سے کمر پر لگی ہوئی ریت کو جھاڑا اور ان کو راضی فرمایا۔

علامہ عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں، "فِیْهِ جَوَازُ النَّوْمِ فِی الْمَسْجِدِ وَاِسْتِعْطَافُ الْغَضْبَانِ وَتَوَاضُعُ النَّبِیِّ (ﷺ) وَمَنْزِلَةُ عَلِیٍّ (رضی الله عنه)۔ یعنی اس حدیث سے مسجد میں سونے کا جائز ہونا، ناراض شخص کو مائل کرنے، رحمت کونین (ﷺ) کی عاجزی اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے مرتبہ ومنزلت کا ثبوت ہے۔" (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۴۵)

آپ کی رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ نسبت

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (ﷺ)

نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا، "اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی۔ یعنی کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہو، جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ (علیہما السلام)"

(بخاری۔ باب مناقب علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)......)

فائدہ:۔

رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذکورہ کلام اس وقت ظہور پزیر ہوا، جب آپ غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہوئے، حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم ارشاد فرمایا اور پیچھے رہ جانے پر غمزدہ ہو کر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی تھی کہ "یَارَسُوْلَ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اَتُخَلِّفُنِیْ مَعَ الذُّرِّیَّةِ؟ .... یعنی یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے درمیان چھوڑ کر جا رہے ہیں؟..... اس وقت آپ کی دلجوئی کی خاطر یہ کلام فرمایا۔ کیونکہ جب موسیٰ (علیہ السلام) کوہِ طور پر تشریف لے گئے، تو ہارون (علیہ السلام) کو اپنا خلیفہ مقرر فرما کر گئے تھے۔

بعض حضرات نے اس سے یہ دلیل قائم کی کہ بعدِ وفاتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خلافت کا حق حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو حاصل ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت علی کو ہارون (علیہ السلام) سے تشبیہ دی ہے اور حضرت ہارون (علیہ السلام) کا وصال، موسیٰ (علیہ السلام) سے پہلے ہوا تھا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی جانب سے عطا کردہ خلافت، ان کی حیاتِ پاک میں ایک خاص وقت تک کے لئے تھی۔ تو جس سے مشابہت دی، جب وہ وقتی طور پر خلیفہ مقرر ہوئے، تو جنہیں مشابہت دی، ان کا بھی یہی حکم ہونا چاہیئے تا کہ مشابہت مکمل

وتام ہوجائے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا نائب مقرر ہونا، فقط سرکار (ﷺ) کے زمانہ مبارکہ میں ایک مختصر مدت تک لئے تھا۔ (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۴۷)

آپ کو گالی دینے والے کا حکم

☆بی بی ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا، "**مَنْ سَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ سَبَّنِيْ**۔ یعنی جس نے علی کو گالی دی، اس نے مجھے گالی دی۔" (مشکوۃ۔ باب مناقب علی (رضی اللہ عنہ) بحوالہ احمد)

فائدہ:۔

مراد یہ ہے کہ جس نے نسب کی جہت سے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو گالی دی، اس نے معاذ اللہ (عزوجل) رسول اللہ (ﷺ) پر الزام تراشی کی۔ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے گالی بکنے والے کو کافر قرار دیا جائے، کیونکہ معاذ اللہ (عزوجل) رحمت عالم (ﷺ) کو گالی دینا کفر ہے.. یا.. پھر اس قول کو فقط ڈرانے دھمکانے پر محمول کیا جائے یعنی یہاں فقط اس فعل سے روکنے کا ارادہ فرمایا گیا، ظاہری معنی مقصود نہیں.. اور یا.... پھر مراد یہ ہے کہ جس نے حلال جان کر گالی دی، وہ کافر ہوگا۔ (مرقاۃ۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۳۴۸)

آپ کی محبت میں افراط وتفریط کرنا

☆حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے مجھ سے فرمایا، "**فِيْكَ مَثَلٌ مِّنْ عِيْسٰى اَبْغَضَتْهُ الْيَهُوْدُ حَتّٰى بَهَتُوْا اُمَّهٗ وَاَحَبَّتْهُ النَّصَارٰى حَتّٰى اَنْزَلُوْهُ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِيْ لَيْسَتْ لَهٗ** ۔ تمہاری ذات میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) جیسی ایک مثال موجود ہے کہ یہود نے ان سے عداوت رکھی، یہاں

تک کہ ان کی والدہ ماجدہ پر بھی بہتان جڑ دیا..اور..نصاریٰ نے ان سے محبت رکھی، یہاں تک کہ اس مقام پر اتار لائے، جو ان کی شان کے لائق نہیں۔"....پھر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد نے فرمایا کہ میرے متعلق دو (۲) آدمی ہلاک ہو جائیں گے۔ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُقَرِّظُنِيْ بِمَا لَيْسَ فِيَّ ۔یعنی محبت میں افراط کرنے والا کہ ایسی باتیں کہے گا، جو مجھ میں نہیں ہیں۔وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهٗ شَنَاٰنِيْ عَلٰى اَنْ يَّبْهَتَنِيْ۔دوسرا عداوت رکھنے والا، جس کو دشمنی ابھارے گی کہ مجھ پر بہتان جڑے۔"

(مشکوۃ۔باب مناقب علی ابن طالب۔بحوالہ احمد)

فائدہ:۔

یہودیوں نے بغضاً بی بی مریم (رضی اللہ عنہا) پر زناء کی تہمت لگائی، جب کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو خدا کا بیٹا بنا ڈالا، رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی افراط وتفریط کی جانب اشارہ فرمایا۔

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے جن دو گروہوں کی جانب اشارہ فرمایا، ان میں سے پہلا رافضی کہلاتا ہے، جب کہ دوسرا خارجی۔

رافضیوں میں سے بعض نے محبت میں، آپ کو تمام صحابہ کرام، بلکہ انبیاء علیہم السلام سے بھی افضل قرار دے ڈالا۔حتی کہ بعض نے آپ کے لئے خدائی کا دعویٰ کر دیا۔یہ فرقہ نصیریہ کہلاتا ہے۔مؤخر الذکر دو نظریات کفر میں شمار ہوتے ہیں۔

خوارج نے آپ کی طرف ناانصافی اور گناہ کی نسبت کی۔

امام احمد نے مناقب میں نقل فرمایا کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے،"اَللّٰهُمَّ الْعَنْ كُلَّ مُبْغِضٍ لَّنَا وَكُلَّ مُحِبٍّ لَّنَا غَالٍ ۔یعنی اے اللہ! ہم سے

ہر بغض رکھنے اور محبت میں حد سے بڑھ جانے والے کو اپنی رحمت سے دور فرمادے۔"

(مرقاۃ۔جلد ۱۱۔صفحہ ۳۴۸۔۳۴۹)

جس کے سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) مددگار اس کے علی (رضی اللہ عنہ) بھی مددگار

☆ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) غَدِیرِ خُمّ پر اترے، تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، "أَ لَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّیْ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ یعنی کیا تم جانتے نہیں کہ میں مؤمنین ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں؟"....لوگ نے عرض کی، "جی ہاں، کیوں نہیں۔"....پھر فرمایا، "أَ لَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّیْ اَوْلٰی بِکُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ۔ کیا تم جانتے نہیں کہ میں ہر مؤمن کا اس کی جان سے بھی زیادہ مالک ہوں؟"....لوگوں نے عرض کی، جی ہاں، کیوں نہیں۔"....

پس آپ نے فرمایا، "اَللّٰهُمَّ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ ۔ یعنی اے اللہ! جس کا میں محبوب و مددگار ہوں، علی بھی اس کا محبوب و مددگار ہے۔ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ ۔ اے اللہ! اسے دوست رکھ، جو علی سے دوستی رکھے..اور..اس سے دشمنی فرما، جو ان سے دشمنی رکھے۔"....اس کے بعد حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ان سے ملے، فرمایا، "هَنِیْئًا یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ! اَصْبَحْتَ وَاَمْسَیْتَ مَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ ۔ یعنی اے ابن ابو طالب! آپ کو مبارک ہو کہ آپ صبح و شام یعنی ہر لمحہ، ہر مؤمن اور مؤمنہ کے محبوب و مددگار ہیں۔"

(مشکوۃ۔باب مناقب علی ابن ابی طالب۔بحوالہ احمد)

فائدہ:۔

یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔غدیر خم، جُحفَہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک تالاب تھا۔

سرکار (ﷺ) کے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو مولی فرمانے کے بارے میں ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں، ''شیعہ حضرات نے اس حدیث سے دلیل قائم کی کہ یہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی خلافت پر نص صریح ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ''مولی کا مطلب ''اَوْلٰی بِالْاِمَامَۃِ یعنی امامت کے زیادہ حقدار'' ہے۔ورنہ رسول اللہ (ﷺ) تمام صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے سامنے اس طرح دلیل پیش نہ فرماتے۔''...یہ ان کے قوی ترین شبہات میں سے ہے۔

علماءِ اہلسنت نے ان کا اس طرح رد فرمایا کہ ''یہاں مولی بمعنی محبوب ہے اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) ہمارے سردار اور محبوب ہیں۔اور مولی کے چند دوسرے بھی معنی ہیں، جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، ان میں سے ایک مددگار بھی ہے اور اسی کی ہم مثل مزید ہیں۔اس بات کے پیش نظر مذکورہ کلام، خلافت پر نص ہونے سے ہی خارج ہوگیا، چہ جائیکہ اسے صریح کہا جائے۔اور اگر اسے بمعنی اَوْلٰی بِالْاِمَامَۃِ ہی تسلیم کرلیا جائے، تو اس سے مراد انجام ہے (یعنی آپ اپنے آخری وقت میں خلیفہ ہوں گے، نہ کہ فی الحال) ورنہ لازم آئے گا کہ سرکار مدینہ (ﷺ) کی موجودگی کے باوجود، حضرت علی (رضی اللہ عنہ) ہی امام وقت ہوں۔پس متعین ہوگیا کہ مقصودِ مصطفیٰ (ﷺ) یہ ہے کہ جس وقت آپ کے لئے عقدِ بیعت پائی جائے، اس وقت آپ خلیفہ ہوں گے..اور..یہ امر ائمہ ثلاثہ (یعنی ابو بکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم)) کی تقدیم کے منافی نہیں، کیونکہ اس پر

صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہوا، حتیٰ کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے بھی۔

پھر ادنیٰ عقل رکھنے والا بھی بآسانی جان سکتا ہے کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا اپنے زمانہ خلافت تک ائمہ ثلاثہ کی خلافت کے خلاف احتجاج نہ فرمانا بھی ثابت کرتا ہے کہ مذکورہ کلام رسول (ﷺ) میں، بعدِ وفاتِ رسول (ﷺ) آپ کی خلافت پر کوئی نص نہیں، باوجود یہ کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے بذاتِ خود واضح طور پر فرمایا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے آپ کے بارے میں یا کسی غیر کے بارے میں خلافت کے معاملے پر نص نہیں فرمائی۔

پھر یہ حدیث، آحاد[1] میں سے ہے اور اس کی صحت کے بارے میں اختلاف ہے، تو پھر شیعہ حضرات کے لئے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ وہ اپنے اس امر کی مخالفت کریں کہ جس پر ان سب نے اتفاق کیا یعنی یہ کہ امامت کے لئے متواتر احادیث کا ہونا شرط ہے؟....اور یہ نہیں ہے، مگر صریح تناقض اور قبیح تعارض۔'' (مرقاۃ۔جلد ۱۱۔صفحہ ۳۴۹)

بہر حال اس حدیثِ پاک سے، بارگاہ رسول (ﷺ) میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی قدر و منزلت واضح ہوتی ہے، جس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

قربتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سعادت

☆ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا، ''رسول اللہ (ﷺ) کی بارگاہ میں مجھے خاص مرتبۂ قرب حاصل تھا، جو مخلوق میں سے کسی دوسرے کو حاصل نہ تھا۔ میں علی الصبح حاضرِ بارگاہ ہوتا اور عرض کرتا، ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! یعنی اے اللہ کے

---

[1]۔ اصطلاحی اعتبار سے خبرِ واحد اس حدیث کو کہتے ہیں، جس کے راویوں کی تعداد حدِ تواتر کو نہ پہنچے۔ حدِ تواتر سے مراد اتنی بڑی تعداد کا ہونا کہ جن کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عقلاً محال ہو۔

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ! اللہ تعالیٰ آپ پر سلامتی نازل فرمائے۔"....اگر آپ کھنکارتے ،تو میں اپنے گھر والوں کی طرف واپس لوٹ آتا، ورنہ حاضر خدمت ہو جاتا۔"

(مشکوۃ۔باب مناقب علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)۔بحوالہ نسائی)

فائدہ:۔

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا سلام فرمانا، اجازت طلب کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ پس جب رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) جوابِ سلام کے ساتھ ساتھ کھنکارتے ،تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) مانع شرعی یا عرفی کا اشارہ سمجھ جاتے اور واپس تشریف لے جاتے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو اندر داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے۔

صبح صبح کسی کا آنا کبھی بے حد خوشگوار اور کبھی ناگوار گزرتا ہے۔کیونکہ اگر آنے والی شخصیت محبوب ہو،تو دل میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے، ورنہ قلب ودماغ کوفت وبیزاریت کا شکار ہوجاتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ)، بارگاہِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مقبول ومحبوب ہیں۔

سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آپ کے لئے شفقت

☆ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیمار تھا۔رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس سے گزرے،اس وقت میں یہ دعا کر رہا تھا، اے اللہ! اگر میری موت کا وقت آپہنچا ہے،تو مجھے راحت پہنچا..اور..اگر دیر ہے،تو صحت بخش..اور..اگر اس میں میری آزمائش ہے،تو صبر عطا فرما۔"...یہ سن کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "کَیْفَ قُلْتَ؟ یعنی تم نے کیا کہا؟"....میں نے جو کہا تھا، وہ دوہرا دیا۔آپ نے اپنے پائے اقدس سے مجھے ٹھوکر ماری اور فرمایا، "اَللّٰھُمَّ عَافِہٖ ۔اے اللہ! اسے عافیت عطا

فرما"...اس کے بعد وہ تکلیف مجھے پھر نہیں ہوئی۔"

(مشکوۃ۔باب مناقب علی ابن ابی طالب۔بحوالہ ترمذی)

فائدہ:۔

رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا آپ کو پیر سے ٹھوکر مارنا ،بطریق حقارت نہ تھا، بلکہ برکت وفیض عطا فرمانے کا ارادہ تھا۔نیز آپ کا اَللّٰھُمَّ عَافِہٖ کا لفظ جہاں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے لئے دعا تھا، وہیں یہ سمجھانا بھی مقصود تھا کہ اس یقینی انداز میں دعا مانگی جائے، ایسے الفاظ وانداز نہ رکھا جائے کہ جس سے شک وتردد کا گمان ہوتا ہو۔

اس میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کا پہلو، سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بلا تکلف، ازراہِ محبت اپنے پائے اقدس سے آپ کو ضرب لگانا ہے۔حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پائے اقدس کا کسی کے بدن سے مس ہو جانا، یقیناً بہت بڑی سعادت ہے۔

چار آدمیوں سے محبت کا حکم

☆حضرت ابن بریدہ (رضی اللہ عنہ) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، "اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ بِحُبِّ اَرْبَعَۃٍ وَاَخْبَرَنِیْ اَنَّہٗ یُحِبُّھُمْ ۔یعنی بے شک اللہ عزوجل نے مجھے چار آدمیوں سے محبت کا حکم فرمایا اور بتایا کہ میں بھی ان چار سے محبت کرتا ہوں۔"...عرض کی گئی، "سَمِّھِمْ لَنَا ۔یعنی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمیں ان کے نام بتا دیجئے۔"...ارشاد فرمایا، "عَلِیٌّ مِّنْھُمْ وَاَبُوْذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ وَسَلْمَانُ ۔ یعنی علی بھی ان میں سے ہیں (راوی فرماتے ہیں یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا) اور ابوذر، مقداد اور سلمان فارسی (رضی اللہ عنہم)۔"

(ترمذی۔باب مناقب علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ مشیتِ الٰہی ہے کہ ان چار نفوس قدسیہ سے محبت کی جائے..اور..اس مشیت کا اظہار، ان چاروں اصحاب رسول (رضی اللہ عنہم) کی عظمت و فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔

تم میرے بھائی ہو

☆حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کرام کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا، تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اس حالت میں حاضر ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، عرض کی، ''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) ! اٰخَیْتَ بَیْنَ اَصْحَابِکَ وَلَمْ تُوَاخِ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اَحَدٍ؟ ۔یعنی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ! آپ نے صحابہ کرام کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا، لیکن مجھے کسی کا بھائی نہ بنایا؟...''۔رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، ''اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔یعنی تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔''

(ترمذی۔باب مناقب علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

جب اللہ تعالیٰ کے حکم پر صحابہ کرام ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے، تو ان میں سے کثیر، راہِ خدا میں نکلنے کے باعث اپنے ان اموال سے محروم ہو گئے، جو مکۃ المکرمہ میں موجود تھے۔ چنانچہ رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے، معاشرتی توازن قائم رکھنے کی غرض سے مدینہ منورہ میں موجود ہر انصار کے ساتھ، ایک ایک مہاجر صحابی کو بھائی بنا دیا تا کہ ان صحابہ کو اپنے اموال سے محرومی کا شدت سے احساس نہ ہو اور آئیندہ کے لئے

سنبھلنے کا موقع بھی مل جائے۔ مذکورہ حدیث پاک میں اسی جانب اشارہ ہے۔

مخلوق میں سب سے پیارا

☆ حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس (پکا ہوا) ایک پرندہ رکھا تھا۔ آپ نے دعا فرمائی، "اَللّٰھُمَّ اِئْتِنِیْ بِاَحَبِّ خَلْقِکَ اِلَیْکَ یَاْکُلَ مَعِیَ ھٰذَا الطَّیْرُ۔ یعنی اے اللہ! اپنی مخلوق میں سے محبوب ترین شخص کو میرے پاس لا، تاکہ وہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے۔"... پس حضرت علی (رضی اللہ عنہ) تشریف لائے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اس پرندے کو تناول فرمایا۔" (ترمذی۔ باب مناقب علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس سے بھی ظاہر ہوا کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بے حد مقرب ومقبول ومحبوب ہیں۔

شہر حکمت کے دروازے

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ یعنی میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔"

(ترمذی۔ باب مناقب علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس حدیث سے یہ مراد نہیں کہ اگر علم مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فیضیاب ہونا چاہیں ،تو فقط حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے رجوع کیا جائے، کیونکہ تمام صحابہ ہی اس کے اہل ہیں کہ ان سے اکتساب فیض کیا جائے، بلکہ یہ کسی وصفِ خاص کے پیش نظر فرمایا۔ جیسا

کہ روایت میں آتا ہے، اِنَّـهُ اَقْـضَـاکُمْ ۔ یعنی علی، فیصلہ کرنے صلاحیت، تم سے زیادہ رکھنے والے ہیں۔''

اللہ اور رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کا محبوب

☆ حضرت اسحاق بن براء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ''نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دو لشکر بھیجے، ایک کا امیر حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو مقرر فرمایا، جبکہ دوسرے لشکر کے امیر حضرت خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) مقرر ہوئے..اور..فرمایا، ''اِذَا کَانَ الْقِتَالُ فَعَلِیٌّ ۔ یعنی جنگ کے موقع پر علی، دونوں لشکروں کے امیر ہوں گے۔''.... راوی فرماتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قلعہ فتح کیا اور اس سے ایک لونڈی حاصل کی۔ اس پر حضرت خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) نے اس کے بارے میں ایک خط، نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں لکھا اور مجھے دے کر بھیجا۔ میں بارگاہِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر ہوا، حضور نے خط پڑھا تو (غصہ سے) آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ پھر فرمایا، ''مَـا تَـرٰی فِیْ رَجُلٍ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔ یعنی تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتا ہے.. اور..اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)، اس کو محبوب رکھتے ہیں۔'' میں نے عرض کی، ''میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے غضب سے پناہ چاہتا ہوں، میں تو محض قاصد ہوں۔''....اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خاموشی اختیار فرمائی۔

(ترمذی۔ باب مناقب علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

حضرت خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کا شکایت بھیجنا ذاتی بغض کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ

غالبا اس وجہ سے تھا کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا لونڈی کو لے لینا، مال غنیمت کی تقسیم سے قبل تھا، لھذا آپ نے مناسب خیال فرمایا کہ اس مسئلے کو بارگاہِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پیش کر دیا جائے، تاکہ اس کے جواز وعدم جواز کے بارے میں احکام صادر ہوں۔ لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں اس انداز سے شکایت کرنا پسند نہ آیا۔ چنانچہ مذکورہ کلام صدور پزیر ہوا۔

رازدارِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

☆ حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے طائف کے دن حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی۔ تو لوگوں نے کہا ''اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سرگوشی طویل ہوگئی۔''....رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ''مَا انْتَجَيْتُهُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ انْتَجَاهُ۔ یعنی میں نے ان سے سرگوشی نہیں کی، بلکہ اللہ تعالی نے ان سے سرگوشی فرمائی۔''

(ترمذی۔ باب مناقب علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

یعنی جنگی و دیگر امور کے بارے میں یہ طویل مشورہ، اللہ عزوجل کے حکم سے تھا۔ لوگوں کا کلام معاذ اللہ (عزوجل) اعتراض کی بناء پر نہ تھا، ورنہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اظہارِ ناراضگی فرماتے، بلکہ تعجب ورشک کی وجہ سے تھا۔

آپ کے دروازے کے سواء تمام دروازے بند

☆ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنھما) سے روایت ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے دروازہ کے سوا تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔''

(ترمذی۔باب مناقب علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس کی وضاحت صفحہ...... پر ملاحظہ فرمائیں۔

پیارے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعا

☆ حضرت ام عطیہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک لشکر بھیجا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس میں تھے۔ میں نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہاتھ اٹھائے دعا مانگتے ہوئے سنا، آپ فرمارہے تھے، "**اَللّٰھُمَّ لا تُمِتْنِیْ حَتّٰی تُرِیَنِیْ عَلِیًّا** ۔یعنی یا اللہ! اس وقت تک مجھے موت عطا نہ فرمانا، جب تک کہ تو مجھے علی کو نہ دکھا دے۔" (ترمذی۔باب مناقب علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس سے نبی محترم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے حد درجہ محبت کا پتا چلا۔

جنت آپ کی مشتاق

☆ حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "**اِنَّ الْجَنَّةَ تَشْتَاقُ اِلٰی ثَلٰثَةٍ عَلِیٌّ وَعَمَّارٌ وَسَلْمَانُ** ۔جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے، علی، عمار اور سلمان (رضی اللہ عنہم)۔"

(ترمذی۔باب مناقب علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو شعور وجذبات عطا فرمائے ہیں، جن کی بناء پر

وہ ان نفوس قدسیہ کی مشتاق ہے، جنہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) محبوب رکھتے ہیں۔

آپ کی محبت، ایمان کی علامت

☆ حضرت ام سلمۃ (رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) فرمایا کرتے، "لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَلَا یُبْغِضُهُ مُؤْمِنٌ۔ یعنی کسی منافق کو علی سے محبت نہیں ہو سکتی اور کوئی مؤمن، علی (رضی اللہ عنہ) سے بغض نہیں رکھ سکتا۔"

(ترمذی۔ باب مناقب علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

یہ نفاق و ایمان کا حتمی معیار نہیں، بلکہ فقط ایک علامت کا بیان ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿اہلِ بیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فضائل ومناقب﴾

اللہ عزوجل کا فرمان عالیشان ہے، ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ☆ اللہ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے۔

(پ۲۲۔الاحزاب۔۳۳)

فائدہ:۔

آیتِ مذکورہ میں ناپاکی سے کیا مراد ہے، اس کے بارے، علامہ سید محمود آلوسی بغدادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے کئی اقوال نقل فرمائے ہیں۔

(۱) رجس (گندگی)، اصل میں میلی کچیلی شے کو کہتے ہیں۔لیکن یہاں مجازاً کثیر گناہ مراد ہیں۔

(۲) فسق۔(۳) شیطان۔(۴) شرک۔(۵) شک۔(۶) بخل وطمع۔

(۷) خواہشات نفسانی اور بدعت۔(۸) عذاب۔(۹) نجاست۔

(۱۰) نقائص۔

نقل اقوال کے بعد فرماتے ہیں، ''وَالْمُرَادُ بِہٖ ھُنَا مَا یَعُمُّ کُلَّ ذٰلِکَ۔ اور یہاں وہ معنی مراد ہے، جو ان تمام کو شامل ہو۔''....

پھر آیت کے معنی مرادی کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ''وَالْمَعْنٰی اَنَّمَا یُرِیْدُ سُبْحَانَہٗ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ وَیَصُوْنَکُمْ مِنَ الْمَعَاصِیْ صَوْنًا بَلِیْغًا فِیْمَا اَمَرَ وَنَھٰی جَلَّ شَانُہٗ۔یعنی اور آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ سبحانہ تعالیٰ محض اس بات کا ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی گندگی کو دور فرمادے اور جن امور کا اس نے

حکم دیا.. یا.. جن سے بچنے کے بارے میں ارشاد فرمایا، ان تمام امور میں ہر طرح کے گناہوں سے خوب محفوظ فرمادے۔'' (تفسیر روح المعانی۔جلد۹۔صفحہ۲۶۳)

اس آیتِ شریفہ میں اہل بیت (یعنی نبی کے گھر والوں) سے مراد، ازواج رسول (رضی اللہ عنھن) ہیں۔علامہ آلوسی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ابن جریر کے حوالے سے لکھتے ہیں، ''کہ عکرمہ (رضی اللہ عنہ) بازار میں نداء کیا کرتے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا قول ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ '' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازاواج کے بارے میں نازل کیا گیا ہے۔

مزید فرماتے ہیں، ''ابن سعد نے عروہ سے روایت کی کہ ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ '' میں اہل بیت سے ازواج النبی (رضی اللہ عنھن) کو مراد لیا گیا ہے۔ (ایضاً)

نیز ماقبل آیات میں ازواج مطہرات کا ذکر بھی اس پر بہترین قرینہ ہے۔ پیچھے ارشاد ہوا، یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۔.....ترجمہ: اے نبی کی بی بیو، تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر اللہ سے ڈرو، تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے، ہاں اچھی بات کہو۔'' .....(احزاب۔۳۲)

یہاں یہ اشکال وارد ہوسکتا ہے کہ ازواج مطہرات کے حجرات ایک سے زیادہ تھے ، چنانچہ اگر یہ نفوس قدسیہ یہاں مقصود ہوتیں، تو ''لفظِ بیت'' واحد نہ فرمایا جاتا بلکہ ''لفظ جمع بیوت'' استعمال ہوتا۔

اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، ''تَوْحِیْدُ الْبَیْتِ لِاَنَّ بُیُوْتَ الْاَزْوَاجِ

الْمُطَهَّرَاتِ بِاعْتِبَارِ الْاِضَافَةِ اِلَى النَّبِيِّ (ﷺ) بَيْتٌ وَاحِدٌ ۔یعنی لفظ بیت کو واحد لانا، اس لئے ہے کہ ازواج مطہرات کے گھر، نبی محترم (ﷺ) کی طرف نسبت کے اعتبار سے ایک گھر ہیں۔" (ایضا)....

یعنی حقیقۃً وہ کئی گھر تھے، لیکن جب نبی اکرم (ﷺ) کی جانب نسبت کی جائے، تو ہر گھر کو"واحد کا لفظ لاتے ہوئے" آپ ہی کا گھر کہا جائے گا۔مثلاً رحمت عالم (ﷺ) ان بیوت میں جس میں بھی داخل ہوں گے، یہی کہیں گے کہ آپ اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔

یہاں ایک مزید اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر ازواج نبی مراد لی جائیں، تو "عَنْكُمْ" اور "لِيُطَهِّرَكُمْ" میں کم ضمیر جو جمع مذکر کے لئے مستعمل ہیں، ان کا استعمال کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟....

اس کا جواب ارشاد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، "اَوْرَدَ ضَمِيْرَ جَمْعِ مُذَكَّرٍ فِيْ عَنْكُمْ وَيُطَهِّرَكُمْ رِعَايَةً لِلَفْظِ الْاَهْلِ وَالْعَرَبُ كَثِيْرًا مَّا يَسْتَعْمِلُوْنَ صِيَغَ الْمُذَكَّرِ فِيْ مِثْلِ ذٰلِكَ رِعَايَةً لِلَفْظِ وَهٰذَا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى خِطَابًا لِسَارَةَ اِمْرَأَةِ الْخَلِيْلِ (علیہ السلام)" أَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (ھود ۷۳). وَمِنْهُ عَلٰى مَا قِيْلَ قَوْلُهٗ سُبْحٰنَهٗ، "قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا اِنِّيْ ٓ اٰنَسْتُ نَارًا (القصص. ۲۹) خِطَابًا مِنْ مُوْسٰى لِاِمْرَاَتِهٖ ۔یعنی عنکم اور یطھر کم میں جمع مذکر کی ضمیر لفظ اہل کی رعایت کرتے ہوئے جمع مذکر لائی گئی ہے۔(ان ضمیروں سے مراد کون ہے، اس کا اعتبار نہیں کیا گیا) عرب حضرات، اسی کی مثل، لفظ کی رعایت کرتے ہوئے مذکر کے الفاظ (مؤنث کے

لئے) کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسی قول مبارک کی طرح ہے ،جواس نے حضرت خلیل (علیہ السلام) کی زوجہ مبارکہ، بی بی سارہ (رضی اللہ عنہا) سے خطاب کرتے ہوئے ارشادفرمایا، (ترجمہ: کیااللہ کے کام کا اچنبا کرتی ہو، اللہ کی رحمت اوراس کی برکتیں تم پراے گھر والو! بے شک وہی ہے سب خوبیوں والا عزت والا۔)...اور کہا گیا ہے کہ اسی طرح، موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف سے ان کی زوجہ کوخطاب کرتے ہوئے "اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے (ترجمہ: اپنی گھر والی سے کہا تم ٹھہرو مجھے طور کی طرف سے ایک آگ نظر پڑی ہے۔)۔" (ایضا)

لیکن امام فخرالدین رازی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں کہ "ثُمَّ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی تَرَکَ خِطَابَ الْمُؤْمِنَاتِ وَخَاطَبَ بِخِطَابِ الْمُذَکَّرِیْنَ بِقَوْلِہٖ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ "لِیَدْخُلَ فِیْہِ نِسَآءُ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَرِجَالِھِمْ ۔یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر مؤمنات سے خطاب کوترک فرمایا اوراپنے قولِ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ کے ساتھ، مذکروں کے ساتھ خطاب فرمایا تاکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر کی عورتیں اور مرد (دونوں) اس حکم میں داخل ہوجائیں۔" (تفسیرکبیر۔جلد۹۔صفحہ۱۶۸)

یہاں تک کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس آیتِ مبارکہ سے رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازواج اوردیگر حضرات کا اہل بیت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ازواج کے علاوہ وہ دیگر افراد کون کون ہیں؟....اس کے بارے میں علامہ فخرالدین رازی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) لکھتے ہیں، "وَاخْتَلَفَ الْاَقْوَالُ فِیْ اَھْلِ الْبَیْتِ وَالْاَوْلٰی اَنْ یُّقَالَ ھُمْ اَوْلَادُہٗ وَاَزْوَاجُہٗ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ مِنْھُمْ وَعَلِیٌّ مِّنْھُمْ ۔اوراہل بیت کے بارے میں اقوال مختلف ہیں اوراولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے کہ آپ کی اولادِ پاک اورآپ کی

ازواج اور حسن و حسین اور حضرت علی (بھی) ان میں شامل ہیں۔ (ایضا)

آپ کے قول کی تائید اس حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے، جسے امام مسلم نے صحیح مسلم میں نقل فرمایا کہ "حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) ارشاد فرماتے ہیں، جب یہ آیت پاک نازل ہوئی "فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآئَنَا وَاَبْنَآئَکُمْ ۔ا؎ تو رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت علی، فاطمہ حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) کو بلایا اور فرمایا، "اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلِیْ۔ اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔" (مسلم۔ باب من فضائل علی (رضی اللہ عنہ))

نیز اسی میں ہے کہ "زید بن حیان کہتے ہیں کہ میں، حصین بن سبرہ اور عمرو بن مسلم، حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) کے پاس گئے۔ حصین نے کہا اے زید! آپ کو بہت خیر کثیر حاصل ہوئی، آپ نے رسول اللہ (ﷺ) کی زیارت کی، ان کی حدیث سنی، ان کے ہمراہ جہاد کیا اور ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں۔ اے زید! آپ ہم کو رسول اللہ (ﷺ) سے سنی ہوئی کوئی حدیث سنایئے۔"

حضرت زید (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا، "اے بھتیجے! واللہ! اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور ایک مدت گزر گئی ہے اور رسول اللہ (ﷺ) کی جو احادیث مجھے یاد تھیں، ان میں سے بعض کو میں بھول گیا، سو جو احادیث میں تم کو بیان کروں، اس کو قبول کر لو اور جس کو میں نہ بیان کروں، مجھے اس کا مکلّف نہ بناؤ۔

ایک دن رسول اللہ (ﷺ) ہمیں خطبہ دینے کے لئے مدینے اور مکہ کے درمیان، اس تالاب پر کھڑے ہوئے جسے خم کہتے ہیں، آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا، "اے لوگو! سنو میں ایک بشر ہوں عنقریب میرے رب کا پیغام لانے والا، میرے

ا؎:۔ ترجمہ: ان سے فرما دو، آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے۔ ال عمران ۶۱

ازواج اور حسن و حسین اور حضرت علی (بھی) ان میں شامل ہیں۔ (ایضا)

آپ کے قول کی تائید اس حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے، جسے امام مسلم نے صحیح مسلم میں نقل فرمایا کہ "حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) ارشاد فرماتے ہیں، جب یہ آیت پاک نازل ہوئی "**فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ** ۔[1] تو رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت علی، فاطمہ حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) کو بلایا اور فرمایا، "**اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلِيْ** ۔اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔" (مسلم۔باب من فضائل علی (رضی اللہ عنہ))

نیز اسی میں ہے کہ "زید بن حیان کہتے ہیں کہ میں، حصین بن سبرہ اور عمرو بن مسلم ،حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) کے پاس گئے۔ حصین نے کہا اے زید! آپ کو بہت خیر کثیر حاصل ہوئی، آپ نے رسول اللہ (ﷺ) کی زیارت کی، ان کی حدیث سنی، ان کے ہمراہ جہاد کیا اور ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں۔اے زید! آپ ہم کو رسول اللہ (ﷺ) سے سنی ہوئی کوئی حدیث سنائیے۔"

حضرت زید (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا، "اے بھتیجے! واللہ! اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور ایک مدت گزر گئی ہے اور رسول اللہ (ﷺ) کی جو احادیث مجھے یاد تھیں، ان میں سے بعض کو میں بھول گیا، سو جو احادیث میں تم کو بیان کروں، اس کو قبول کرلو اور جس کو میں نہ بیان کروں، مجھے اس کا مکلّف نہ بناؤ۔

ایک دن رسول اللہ (ﷺ) ہمیں خطبہ دینے کے لئے مدینے اور مکہ کے درمیان ،اس تالاب پر کھڑے ہوئے جسے خم کہتے ہیں، آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا، "اے لوگو! سنو میں ایک بشر ہوں عنقریب میرے رب کا پیغام لانے والا، میرے

---

[1]:۔ترجمہ: ان سے فرمادو، آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے۔ال عمران ۶۱

پاس آئے گا اور میں اس کو لبیک کہوں گا۔ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے، جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اللہ کی کتاب پر عمل کرو اسے مضبوطی سے تھام لو۔ (اور دوسرے) میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔" حصین نے پوچھا، اے زید! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج اہل بیت سے نہیں ہیں؟.... آپ نے فرمایا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازواج، اہل بیت سے ہیں، لیکن آپ کے اہل بیت سے مراد وہ ہیں، جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام کیا گیا، اور وہ آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ (مسلم۔ باب من فضائل علی (رضی اللہ عنہ))۔"

☆ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک روز صبح کے وقت باہر تشریف لے گئے، آپ کے اوپر سیاہ بالوں سے مخلوط چادر تھی، پس حسن بن علی آئے، تو انہیں اس میں داخل کر لیا۔ پھر حسین آئے، انہیں بھی داخل کر لیا پھر فاطمہ آئیں، تو انہیں بھی داخل کر لیا، پھر علی آئے، تو انہیں بھی داخل کر لیا، پھر فرمایا، "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ☆ اللہ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔" (مسلم۔ کتاب فضائل صحابہ (رضی اللہ عنہم))

اہل بیتِ اطہار کے فضائل

حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی

نصیحت

☆ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا، ''اُرْقُبُوا مُحَمَّدًا (ﷺ) فِیْ اَهْلِ بَیْتِهٖ ۔یعنی اہل بیت کے بارے میں رسول اللہ (ﷺ) کی حفاظت کرو۔''

(بخاری۔باب مناقب الحسن والحسین (علیہ السلام))

فائدہ:۔

اہل بیت کے بارے میں رسول اللہ (ﷺ) کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اہل بیت اطہار کو کسی بھی قول وفعل سے اذیت مت پہنچاؤ، انہیں گالی وغیرہ مت دو۔ کما فی عمدۃ القاری ۔

اھل بیت کی مثال کشتیٔ نوح کی طرح

☆ حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) نے کعبہ کا دروازہ پکڑے ہوئے فرمایا کہ میں نے نبی کریم (ﷺ) کو فرماتے ہوئے سنا، ''اَلَا اِنَّ مِثْلَ اَهْلِ بَیْتِیْ فِیْکُمْ مِثْلُ سَفِیْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَکَ ۔یعنی خبردار! تم میں میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح جیسی ہے، جو اس میں سوار ہوا، وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہا، وہ ہلاک ہو گیا۔'' (مشکوۃ۔باب مناقب اہل بیت النبی (رضی اللہ عنہم))

فائدہ:۔

مراد یہ ہے کہ جس نے ان کی محبت ومتابعت کو لازم پکڑا، دارین میں نجات پا جائے گا، ورنہ دونوں جہانوں میں ہلاک ہوگا۔ کما فی المرقاۃ۔

☆حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ کے دن اپنی اونٹنی قصواء پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا، میں نے سنا، آپ فرمار ہے تھے، ''یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ یَّضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ ۔اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑی کہ اگر تم اسے پکڑے رکھو گے، تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت۔''

(مشکوۃ۔باب مناقب اہل بیت النبی (رضی اللہ عنہم) بحوالہ ترمذی)

فائدہ:۔

اس حدیث پاک کے تحت، ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں، ''اہل بیتِ اطہار کو پکڑے رکھنے سے مراد، ان کی محبت...ان کی حرمت کی محافظت...ان کی بیان کردہ بات پر عمل ..اور..ان کے اقوال پر اعتماد کو اپنی ذات پر لازم کر لینا ہے۔اور یہ امور اس بات کے منافی نہیں کہ سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان نفوسِ عظیمہ کے علاوہ سے بھی حاصل کیا جائے۔کیونکہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، ''اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔یعنی میرے اصحاب، ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی پیروی کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔''...اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے سبب کہ ''فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔(ترجمہ۔تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں ہے۔النحل۔۴۳)...''

مزید فرماتے ہیں، ''ابن ملک نے فرمایا، ''کتاب اللہ کو پکڑنے سے مراد، اس میں موجودہ احکام و تعلیمات پر عمل کرنا ہے اور (عمل کرنے کا مطلب) اللہ تعالیٰ کے احکام کی

فرمانبرداری کرنا اور جن امور سے منع فرمایا، اس سے رک جانا ہے..اور..آپ کے اہل بیت کو پکڑنے سے مراد، ان سے محبت کرنا اوران کی ہدایت وسیرت سے ہدایت حاصل کرنا ہے۔''...(المرقاۃ۔جلد۱۱۔صفحہ۳۸۵)

آگے ایک نفیس نکتہ بیان کرتے ہوئے فرمایا،''سرکار(ﷺ) کا اپنے اہل بیت کی پیروی کے بارے میں مطلقاً ارشاد فرمانا[1] اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ جو واقعی میری اولاد میں سے ہوگا، اس کی ہدایت وسیرت، شریعت وطریقت کے مطابق ہی ہوگی۔''(ایضاً)

دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں

☆حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا،''اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمْ مَّا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَحَدُھُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْآخَرِ کِتَابُ اللّٰہِ مَمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلُ بَیْتِیْ وَلَنْ یَّتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَی الْحَوْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِیْھِمَا۔ میں تم ایسی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے، تو میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ان میں سے ایک دوسری کے مقابلے میں زیادہ عظمت والی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری عترت یعنی اہل بیت۔اور یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے ملیں گے۔پس غور وتفکر کرنا کہ میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو(اچھا یا برا)۔''

(مشکوۃ۔باب مناقب اھل بیت النبی (رضی اللہ عنہم) بحوالہ ترمذی)

---

[1]: یعنی آپ نے یہ تقسیم نہیں فرمائی کہ اگر وہ شریعت کے مطابق حکم کریں یا چلیں، تو پیروی کرنا، ورنہ نہیں۔

فائدہ:۔

ملا علی قاری (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں کہ اظہر یہ ہے کہ اہل بیت وہ ہوں گے ، جو صاحب بیت اور اس کے احوال کو زیادہ جاننے والے ہوں، چنانچہ (جن کی پیروی کا حکم ارشاد فرمایا گیا، ان) اہل بیت سے مراد، ان میں سے اہل علم حضرات ہوں گے، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت پر مطلع، آپ کے طریقے سے واقف اور آپ کے حکم اور حکمت کو پہچاننے والے ہوں گے۔ اور انہی امور کی بناء پر وہ اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے مقابل ہو جائیں۔

اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے امام احمد نے مناقب میں ذکر کیا ہے، کہ ایک مرتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں ایک مسئلہ پیش کیا گیا، جس کا فیصلہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا تھا، تو آپ نے اسے پسند کیا اور ارشاد فرمایا، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْنَا الْحِکْمَةَ اَهْلَ بَیْتٍ ۔ اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے ہمارے درمیان حکمت رکھ دی۔''

(مرقاۃ۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۳۸۵۔ ۳۸۶)

قرآن کریم اور اہل بیت کے جدا نہ ہونا ،مواقفِ قیامت کے اعتبار سے ہے۔ یعنی بروز قیامت یہ دونوں ساتھ ساتھ ہوں گے۔

ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) طیبی کے حوالے سے لکھتے ہیں، ''قرآن کا اہل بیت سے افضل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن، اہل بیت کے لئے بھی بہترین عملی نمونہ ہے اور ان پر، اس کی پیروی کرنا لازم ہے اور وہ قرآنی تعلیم پر عمل پیرا ہونے کے اعتبار سے دیگر لوگوں سے اولیٰ ہیں۔ (کیونکہ رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔)....رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

اس وصیت اوراپنی عترتِ مبارکہ کوقرآن سے ملانے میں یہ راز ہوسکتا کہ ان کی محبت کا واجب ہونا، اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ظاہر ہے، قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی ۔(ترجمہ: تم فرماؤ، میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت ۔(الشوریٰ ۲۳) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رحمتِ عالم (ﷺ) کے احسان وانعام کو، اہل بیت کی محبت کے ساتھ متعلق کرقرآن میں علی سبیل حصر ذکر فرمایا۔تو گویا کہ سرورِ کونین (ﷺ) نے امت کوان کے شکرادا کرنے کی وصیت فرمائی۔(ایضاً)

اھلِ بیت سے محبت کرو

☆ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے رسول اکرم (ﷺ) نے فرمایا،

''اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِنْ نِّعْمَۃٍ وَاَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰہِ وَاَحِبُّوْا اَھْلَ بَیْتِیْ لِحُبِّیْ ۔یعنی اللہ تعالی سے محبت کروکہ وہ تمہیں نعمتوں میں سے رزق عطا فرماتا ہے، مجھ سے اللہ تعالی کی خاطر محبت کرواور میرے اہل بیت سے میرے سبب محبت کرو۔''

(ترمذی۔باب مناقب اہل بیت (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

انسان کو ملنے والی ہر نعمت، اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، ارشاد ہوتا ہے، وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ۔(ترجمہ: اورتمہارے پاس جونعمت ہے، سب اللہ کی طرف سے ہے ۔(النحل ۵۳)

اور جو انسان پر احسان واکرام کرے، تو اس سے محبت کی ہی جاتی ہے، لھذا اللہ تعالیٰ سے بدرجہ اولیٰ محبت رکھنی چاہیئے ۔

نیز سرکار (ﷺ) کا اپنی محبت کے بارے میں ارشاد فرمانا، اس سبب سے ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ سے محبت کا سبب معلوم ہو گیا، تو اس محبت کرنا ضروری ہوا، اور محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوا کرتا ہے، لھذا آپ کو محبوب رکھنا بھی ضروری ہوا۔

اور جب آپ سے محبت لازم ہوئی، تو جس سے آپ کو محبت ہے، اس سے محبت رکھنا بھی ضروری ہوا، لھذا اہل بیت سے محبت بھی ضروری ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ اہل بیت کی محبت، رسول اللہ (ﷺ) سے محبت کی نشانی ہے اور رسول اللہ (ﷺ) سے محبت، اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

امام حسن (رضی اللہ عنہ) نصف ماہ رمضان ۳ھ میں دنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔آپ کا نام حسن، رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بذاتِ خود تجویز فرمایا۔ولادت کے ساتویں دن آپ کا عقیقہ ہوا اور سر کے بال اتارے گئے۔حدیثِ مبارک کے مطابق آپ آخری خلیفہ ہیں۔رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہت زیادہ مشابہت رکھا کرتے تھے۔آپ بے حد حلیم الطبع، پروقار اور سخاوت میں بے بدل تھے۔آپ نے بغیر سواری کے ۲۵ حج فرمائے۔

آپ ماہ ربیع الاول ۴۱ھ..یا..ماہ ربیع الثانی ۴۱ھ..یا..ماہ جمادی الاول ۴۱ھ کو خلافت سے دستبردار ہوئے۔آپ کی شہادت زہر خورانی کے باعث، ۵ ربیع الاول ۵۰ھ کو واقع ہوئی۔بعض ۴۹ھ اور بعض ۵۱ھ بتاتے ہیں۔امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی تمام تر کوششوں کے باوجود آپ نے زہر دینے والے کا نام بتانے سے گریز فرمایا، آپ نے اصرار پر جواب دیا، ''اللہ تعالیٰ سخت انتقام لینے والا ہے، کوئی شخص محض میرے گمان کی بناء پر کیوں قتل ہو۔''....آپ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔(اسد الغابہ۔تاریخ الخلفاء)

آپ کے فضائل

اللہ عزوجل کا فرمان عالیشان ہے، ''اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِیۡرًا ☆ اللہ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

(پ۲۲۔الاحزاب۔۳۳)

فائدہ:۔اس کے بارے میں مکمل تفصیل اہل بیت کے فضائل کے تحت گزر گئی۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے سینے سے لگایا

☆ نافع بن جبیر نے حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ "عَانَقَ النَّبِیُّ (صلی اللہ علیہ وسلم) اَلْحَسَنَ۔ یعنی رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امام حسن کو سینے سے لگایا۔"

(بخاری۔ باب مناقب الحسن والحسین (رضی اللہ عنہما))

فائدہ:۔

اس روایت سے معانقہ کے جواز کے ساتھ ساتھ امام حسن (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت بھی ظاہر ہوئی۔ یقیناً سینہ سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لگ جانا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ بڑی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے۔

میرا یہ بیٹا سردار ہے

☆ حضرت ابوبکرہ (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو منبر پر دیکھا اور امام حسن آپ کے پہلو میں تھے، کبھی آپ لوگوں کی جانب دیکھتے اور کبھی ان کی طرف۔ پھر میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "اِبْنِیُ ھٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یَصْلَحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ عزوجل اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔"

(بخاری۔ باب مناقب الحسن والحسین (رضی اللہ عنہما))

فائدہ:۔

مسلمانوں کے دو گروہوں سے مراد امام حسن اور امیر معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے رفقاء ہیں۔ اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے امام حسن کی اور اہل شام نے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کی۔ جس سے مسلمانوں

میں باہم تصادم کا زبردست خطرہ پیدا ہوگیا۔ بعدِ بیعت، ان دونوں حضرات کی کوفہ میں ملاقات ہوئی۔ طویل مذاکرات کے بعد امام حسن (رضی اللہ عنہ) نے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے صلح فرمالی اور کتاب اللہ اور سنتِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اقامت کی شرط پر ان کی بیعت بھی کرلی اور پھر آپ کوفہ سے مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ اس طرح نبی اکرم (رضی اللہ عنہ) کے ایک عظیم معجزے کا ظہور ہوا کہ جس طرح آپ نے خبر دی تھی، ویسا ہی ظہور پزیر ہوا۔

○ اس واقعے میں امام حسن (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت نمایاں ہے۔ کیونکہ آپ کے ورع وتقویٰ نے بادشاہت کے ترک کی دعوت دی، جسے آپ نے اللہ تعالیٰ کے پاس موجود نعمتوں کی جانب رغبت کی بناء پر قبول فرمایا۔ آپ کی جانب سے صلح کا یہ قدم مصلحتِ دینیہ اور مصلحتِ امت کے لئے تھا، نہ کہ کسی خوف اور رفقاء کی قلتِ تعداد کی بناء پر۔ کیونکہ آپ کے دستِ حق پر تقریباً چالیس ہزار لوگوں نے جاں نثاری کی بیعت کی تھی۔ (ملخص از عمدۃ القاری۔ جلد۹۔ صفحہ ۵۹۷)

سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آپ سے محبت

☆ حضرت براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا کہ آپ نے امام حسن کو اپنے کندھے پر اٹھایا ہوا تھا اور فرمارہے تھے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ۔ یعنی اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما۔" (بخاری۔ باب مناقب الحسن والحسین (رضی اللہ عنہما))

فائدہ:۔

سبحان اللہ! رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پہلے اقرارِ محبت فرمانا اور پھر بارگاہِ الٰہی میں

اس کا سوال فرمانا، امام حسن (رضی اللہ عنہ) کی فضیلتِ کاملہ کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مشابہت

☆ حضرت عقبہ بن حارث (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ آپ نے امام حسن کو اٹھایا ہوا تھا اور فرما رہے تھے، "بِاَبِیْ شَبِیْہٌ بِالنَّبِیِّ لَیْسَ شَبِیْہٌ بِعَلِیٍّ۔ میرے والد کی قسم! تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مشابہ ہو، حضرت علی کے مشابہ نہیں ہو۔"....اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) یہ سن کر مسکرا رہے تھے۔ (بخاری۔ باب مناقب الحسن والحسین (رضی اللہ عنہما))

فائدہ:۔

کسی کا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مشابہہ ہونا اس لحاظ سے باعثِ فضیلت ہے کہ یہ مشابہت اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ امام حسن (رضی اللہ عنہ) کو اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مشابہہ پیدا کرنا پسند فرمایا اور بالیقین اسے انعام الٰہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ "لَمْ یَکُنْ اَحَدٌ اَشْبَہَ بِالنَّبِیِّ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ ۔ یعنی امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کوئی بھی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہ ہوا۔" (بخاری۔ باب مناقب الحسن والحسین (رضی اللہ عنہما))

سوار بھی تو کتنا اچھا ہے

☆ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم)، حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کو کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے کہا، "نِعْمَ الْمَرْکَبُ رَکِبْتَ یَا غُلَامُ! یعنی اے لڑکے! تو کتنی اچھی سواری پر سوار

ہے۔“....رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا،”وَنِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ۔ یعنی سوار بھی تو کتنا اچھا ہے۔“(ترمذی۔باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی بن ابی طالب.......)

فائدہ:۔

زبان رسول (ﷺ) سے کسی کے لئے مدح کے الفاظ ادا ہو جائیں،تو اس کی عظمت وکرامت میں کسے شبہ ہو سکتا ہے؟....اس روایت سے نواسے کو کندھے پر سوار کرنے کی سنت کا علم بھی حاصل ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿سیدنا حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ﴾

آپ کی ولادتِ باسعادت ۵ شعبان المعظم ۴ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آپ کا نام حسین اور شبیر رکھا۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب سبط رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ریحانہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

آپ نہایت متقی، پرہیزگار، کثرت سے نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، حج کرنے اور صدقہ کرنے والے تھے۔ آپ دس محرم الحرام ۶۱ھ کو میدان کربلا میں شہید کیے گئے۔

﴿آپ کے فضائل﴾

☆ حضرت یَعْلٰی بن مُرَّہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''حُسَیْنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ۔ یعنی حسین مجھ سے ہے..اور...میں حسین سے ہوں۔ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو محبوب رکھتا ہے، جو حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے محبت رکھے۔ حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ۔ حسین، میری بیٹی کی اولاد میں سے ایک بیٹا ہے۔

(ترمذی۔ باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی بن ابی طالب.......)

فائدہ:۔

رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں ان تعریفی کلمات کی وجہ بیان کرتے ہوئے ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نقل فرماتے ہیں، ''قاضی نے فرمایا گویا کہ رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نورِ وحی سے اس معاملے کو جان لیا تھا، جو عنقریب امام حسین (رضی اللہ عنہ) اور آپ کی قوم کے درمیان وقوع پزیر ہونے والا تھا۔ چنانچہ آپ نے انہیں اپنے ذکر کے ساتھ خاص فرمایا، اور یوں ظاہر فرمادیا کہ

محبت کے واجب ہونے اور جنگ وغیرہ کے حرام ہونے کے سلسلے میں آپ دونوں ایک شے کی مثل ہیں۔اور پھر اپنی بات کو اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا کے ذریعے اور زیادہ پختہ فرمادیا، کیونکہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی محبت، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت، اللہ عزوجل کی محبت ہے۔(مرقاۃ۔جلد۱۱۔صفحہ۳۹۲)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿سیدنا امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما﴾

کیمیائے سعادت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن و حسین اور عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) تینوں حج کے لئے جا رہے تھے۔ توشہ اور زادِ راہ کا اونٹ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ بھوک اور پیاس سے بے تاب ہو کر یہ نفوس قدسیہ راستہ میں ایک بڑھیا کے خیمہ میں گئے اور اس کو کہا، "ہمیں بہت پیاس لگی ہے، کچھ پینے کو دو۔" اس نے ایک بکری کا دودھ نکال کر انہیں پیش کیا۔ دودھ پی کر انہوں نے کہا "کچھ کھانے کے لئے ہے؟" اس بڑھیا نے کہا کہ "کھانے کو تو کچھ موجود نہیں ہے، تم اسی بکری کو ذبح کر کے کھالو۔" چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس بڑھیا سے کہا کہ "ہم قریشی ہیں جب سفر سے واپس آئیں واپس آئیں تو تم ہمارے پاس آنا ہم تمہاری اس مہربانی کا عوض دیں گے۔" یہ کہہ کر یہ تینوں آگے بڑھ گئے۔ جب اس بڑھیا کا شوہر گھر آیا تو ناراض ہوا کہ تم نے بکری ایسے لوگوں کی خاطر ذبح کرا دی، جن سے نہ ہماری واقفیت تھی اور نہ کوئی دوستی۔

اس واقعہ کو کچھ مدت گزر گئی تو اس بڑھیا اور اس کے شوہر کو ناداری نے پریشان کیا۔ یہ تباہ حال خاندان مدینہ منورہ پہنچا اور پیٹ بھرنے کو اونٹ کی لید چن چن کر بیچنے لگے۔ ایک دن وہ عورت کہیں جا رہی تھی کہ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے اسے اپنی ڈیوڑھی سے دیکھا اور پہچان لیا اور اس کو روک کر ارشاد فرمایا، "اے بڑھیا! تو مجھے پہچانتی ہے؟" اس نے جواب دیا کہ نہیں! میں آپ کو نہیں جانتی۔ آپ نے فرمایا کہ میں وہی ہوں، جو فلاں روز تیرا مہمان ہوا تھا، اس نے کہا، "اچھا! آپ وہ ہیں۔" اس کے بعد آپ نے اس عورت کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار مرحمت کئے، پھر اپنے غلام

کے ساتھ سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے پاس بھیجا۔ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے اس عورت سے پوچھا کہ "میرے بھائی نے تجھے کیا دیا؟" اس نے کہا کہ "ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار۔" آپ نے بھی اسی قدر اس کو انعام دیا۔............ الخ

(صفحہ ۵۸۶)

حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے مشترکہ فضائل

سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دو پھول

☆ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں ارشاد فرمایا، "**هُمَا رَيْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْيَا.** یعنی یہ دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔" (بخاری۔ باب مناقب الحسن والحسین (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

چونکہ اولاد کو فرطِ محبت میں چوما اور سونگھا جاتا ہے، لھذا انہیں پھول فرمایا کہ خوبصورت وخوشبودار پھول کو بھی چوما اور سونگھا جاتا ہے۔

جنتی نوجوانوں کے سردار

☆ حضرت ابو سعید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "**اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔** یعنی حسن اور حسین، جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔"

(ترمذی۔ باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی بن ابی طالب.......)

فائدہ:۔

شفیع محشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس قول مبارک کی کئی تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً

(۱) مظہر نے فرمایا، ''یعنی وہ دونوں اصحابِ جنت میں سے ان نوجوانوں سے افضل ہیں، جنہوں نے راہِ خداعزوجل میں موت کا جام پیا۔''

(۲) وہ دونوں انبیاء (علیھم السلام) اور خلفاء راشدین (رضی اللہ عنہم) کے علاوہ تمام اھل جنت کے سردار ہیں، کیونکہ تمام اہل جنت ایک عمر کے ہوں گے اور وہ جوانی کی عمر ہے اوران میں نہ کوئی بوڑھا ہوگا، نہ ہی ادھیڑ عمر۔

(۳) طیبی نے فرمایا، ''یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے یوں مراد لیا جائے کہ اس موجودہ زمانے میں جتنے نوجوان اہل جنت میں سے ہیں، یہ دونوں ان کے سردار ہیں۔

بہرحال کوئی بھی معنی مراد لیا جائے، چمن مصطفٰی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان دو مہکتے پھولوں کی بزرگی واضح ہے۔

انہیں محبوب رکھنے والے کے لئے دعا

☆ حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، فرماتے ہیں، ''میں ایک رات کسی کام کے لئے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ باہر تشریف لائے، آپ کے پاس کچھ لپٹا ہوا تھا۔ مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کیا چیز ہے۔ میں اپنی ضرورت سے فارغ ہوا، تو پوچھا، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ نے کیا چیز لپیٹ رکھی ہے؟''.... آپ نے کپڑا اہٹایا، تو دیکھا کہ حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما)، دونوں آپ کی رانوں پر ہیں۔ آپ نے فرمایا، ''هٰذَانِ ابْنَایَ وَابْنَاابْنَتِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّهُمَا۔ یعنی یہ میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ یااللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں، تو بھی انہیں محبوب رکھ اور انہیں بھی اپنا محبوب بنالے، جو ان سے محبت رکھیں۔'' (ترمذی۔ باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی بن ابی طالب ......)

فائدہ:۔

سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حسنین کریمین (رضی اللہ عنہما) کو اپنا بیٹا قرار دینا، حکماً اور بی بی فاطمہ کا کہنا، حقیقۃً ہے۔اس دعا سے مقصود یا تو اسامہ (رضی اللہ عنہ) کے دل میں ان بچوں کی وقعت وعظمت کی زیادتی مقصود تھی..یا..پھر اس ذریعے سے قیامت تک آنے والوں مسلمانوں کو ان کی محبت کی جانب مائل کرنا مطلوب تھا۔

سرکارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا آپ سے محبت کا ایک اندازِ

☆ حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ "نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا گیا، "اَیُّ اَھْلِ بَیْتِکَ اَحَبُّ اِلَیْکَ ؟ ۔یعنی اہل بیت میں سے آپ کو کون زیادہ محبوب ہے؟"....آپ نے ارشاد فرمایا، "اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ ۔یعنی حسن اور حسین۔"....رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم)، بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا کرتے، "اُدْعِیْ لِیْ اِبْنَیَّ ۔یعنی میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ۔" پھر آپ ان کو سونگھتے اور اپنے ساتھ چپٹاتے۔(ترمذی۔باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی بن ابی طالب.......)

فائدہ:۔

جیسا کہ ماقبل میں گزرا کہ چونکہ سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان دونوں شہزادوں کو اپنا پھول قرار دیا اور پھول کو چوما اور سونگھا جاتا ہے،لھذا آپ اظہارِ محبت کی غرض سے انہیں چومتے اور اپنے سینے سے لگاتے۔

بارگاہِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں شہزادوں کی حاضری

☆ حضرت ابو بریدہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اتنے میں حضرت حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما)، سرخ کپڑوں میں ملبوس، گرتے پڑتے تشریف لائے۔ انہیں ملاحظہ فرما کر نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور دونوں کو اٹھا کر سامنے بٹھا لیا، پھر فرمایا، ''صَدَقَ اللّٰهُ" اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۔یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان حق ہے کہ تمہارے مال اور تمہارے بچے جانچ ہی ہیں۔(التغابن ۱۵)) نَظَرْتُ اِلٰى هٰذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثِرَانِ فَلَمْ اَصْبِرْ حَتّٰى قَطَعْتُ حَدِيْثِيْ وَرَفَعْتُهُمَا ۔میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ وہ گرتے پڑتے آ رہے ہیں، تو میں صبر نہ کر سکا، یہاں تک کہ میں نے اپنی بات کاٹ کر ان کو اٹھایا۔''

(ترمذی۔باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی بن ابی طالب.......)

فائدہ:۔

مکمل سرخ کپڑا پہننا ممنوع ہے، اسی طرح بچوں کو پہنانا بھی۔ حسنین کریمین جو کپڑے پہنے تشریف لائے تھے، وہ مکمل سرخ نہ تھے، بلکہ ان پر سرخ دھاریاں تھیں، اور اس طرح کے کپڑے ممنوع نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اس پر گھر والوں کو تنبیہ نہ فرمائی۔

چونکہ یہ دونوں شہزادے اس وقت بہت ہی چھوٹے تھے، لھذا اپنے بچپنے اور قلت قوت کی بناء پر گرتے پڑتے تشریف لائے اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے گھر کا دروازہ مسجد کی جانب کھلتا تھا، لھذا ان بچوں کے دخول مسجد میں کوئی چیز مانع نہ ہو سکی۔

چونکہ سرورِ دو جہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) رحمت اللعلمین ہیں، لھذا قلبی رقت و رحمت کی بناء

پرنورا خطبہ موقوف فرما کر انہیں سنبھالا اور اپنے سامنے بٹھا کر خطبہ پورا فرمایا۔

رحمتِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مشابہت

☆ حضرت علی مرتضے (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حسن، سینہ سے سر تک.. اور.. حسین، سینہ سے نیچے، نبی محترم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

(ترمذی۔باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی بن ابی طالب.......)

فائدہ:۔

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں نفوس قدسیہ، اللہ عزوجل کے حکم سے اپنے والدین سے کم اور اپنے نانا جان سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

محبوبِ ربِ ذو الجلال (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آپ کے لئے دعا

☆ حضرت براء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حسنین کریمین (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا، تو فرمایا، "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا۔ یعنی یا اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں، تو بھی انہیں محبوب رکھ۔"

(ترمذی۔باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی بن ابی طالب.......)

فائدہ:۔

یقیناً یہ دعائے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بارگاہ الٰہی میں مقبول ہے، لھذا معلوم ہوا کہ یہ دونوں پھول بے مثال، اللہ تعالیٰ کو بھی محبوب ہیں۔ بالیقین جو ان محبوبان الٰہی اور حبیبان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے الفت ومحبت رکھے گا، اللہ عزوجل اور اس کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے بھی اپنا محبوب بنالیں گے اور جو اس وسیلے سے محبوبِ رب وحبیب رب (عزوجل

ﷺ) بننے میں کامیاب ہو گیا، دنیا و آخرت کی نعمتیں اس کے قدموں میں ہوں گی۔

﴿عم محترم سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ﴾

حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی کنیت ابوالفضل ہے، کیونکہ ان کے سب سے بڑے فرزند کا نام فضل تھا، ان کی نسبت سے یہ کنیت اختیار فرمائی۔

حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی والدہ کا نام نتیلہ بنت حباب بن کلب ہے، بیان کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی عرب عورت ہیں جنہوں نے بیت الحرم پر دیبا کا غلاف چڑھایا۔ اس لئے کہ حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) بچپنے میں گم ہو گئے تھے، تو ان کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ وہ واپس آ جائیں، تو بیت اللہ پر غلاف چڑھائیں گی۔ حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) بڑے حسین و جمیل، دو گیسو والے اور طویل القامت تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ لوگوں کا قد حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کے کندھوں تک پہنچتا تھا۔ اور حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کا قد حضرت عبدالمطلب کے کندھوں تک۔ بعض روایتوں میں ان کے وصف میں معتدل بھی لکھا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ مراد معتدل القامت ہے لیکن یہ اعتدال تمام اعضاء جوارح میں مراد ہوگا۔ واللہ اعلم

ان کی ولادت عام الفیل سے تین سال پہلے ہے۔ یہ حضورِ اکرم (ﷺ) سے دو یا تین سال عمر میں زیادہ تھے اور قریش میں سردار تھے اور عمارت بیت الحرام ان کے سپرد تھا۔ ظاہر ہے کہ تعمیر مسجد اور اس کی دیکھ بھال مراد ہوگی۔ اور منصبِ سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔

حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) عقبہ کی رات جس میں انصار نے عقدِ بیعت کی تھی حضورِ اکرم (ﷺ) کے ساتھ تھے۔ اس مجلس میں انہوں نے فرمایا، ''اے گروہِ انصار

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محمد (ﷺ) لوگوں میں بزرگ و عظیم ہیں۔ مبادا اس وقت جو عہد و پیمان تم اس وقت باندھ رہے ہو، بعد میں اسے توڑ دو۔ خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔

حضور اکرم (ﷺ) ان پر تمام امور میں اعتماد فرماتے تھے۔ جب بدر کے قیدیوں میں ان کے بند سخت ہو گئے، تو حضور اکرم (ﷺ) ان کے آہ و نالہ اور ان کی حالت کے تصور سے سو نہ سکے۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی کہ "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! نیند نہ آنے کی وجہ کیا ہے؟" فرمایا، "عباس کی وجہ سے۔" اس کے بعد ایک شخص اٹھا اور ان کی بندشوں کو ڈھیلا کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کی بندشیں ڈھیلی کر دی جائیں۔ اسی طرح صاحب صفوۃ ابو عمرو نے بیان کیا ہے۔ اور یہ کہ حضرت عباس اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے اور مشرکوں کے جبر و قہر کی بنا پر ساتھ آئے تھے۔

حضور اکرم (ﷺ) نے حکم دے دیا تھا کہ جس کسی کو حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) ملیں وہ ان کو قتل نہ کرے کہ انہیں جبراً لایا گیا ہے یعنی وہ ناگواری اور عدم رضا کے ساتھ آئے ہیں، کیونکہ ابو جہل اور کافروں نے انہیں مکہ مکرمہ میں رہنے اور بدر میں نہ جانے کی اجازت نہیں دی۔

جب حضور اکرم (ﷺ) فتح مکہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، تو حضرت عباس مکہ سے ہجرت کر کے راہ میں حضور اکرم (ﷺ) کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ حضور (ﷺ) نے ان کے عیال کو مدینہ طیبہ بھیج دیا اور حضرت عباس حضور اکرم (ﷺ) کے ہمراہ رہے۔ وہ فتح مکہ میں حضور اکرم (ﷺ) کے ساتھ ہی تھے۔ سرکار

دو عالم (ﷺ) نے ان سے فرمایا، ''تمہارے ساتھ ہجرت اب ختم ہوگئی ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بعض بیان کرتے ہیں وہ فتح خیبر سے پہلے اسلام لے آئے تھے، مگر انہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا تھا۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو فتح و نصرت عطا فرمائی اس سے وہ بہت خوش اور مسرور ہوئے اور اپنے اسلام کو روز فتح ظاہر فرما دیا۔ غزوہ حنین، طائف اور تبوک میں شریک ہوئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ بدر سے پہلے بھی وہ مسلمان تھے اور رسول اللہ (ﷺ) کو مشرکوں کے حالات اور ان کی خبریں لکھ کر بھیجا کرتے تھے اور مکہ مکرمہ میں باقی مسلمانوں کی اطلاعیں دیا کرتے تھے اور سرور عالم (ﷺ) ان کی اطلاع پر اعتماد فرماتے تھے اور آپ کے سرکار مدینہ (ﷺ) کی خدمت میں آنے سے قبل ہی سرکار (ﷺ) ان سے محبت فرماتے تھے۔ اسی بناء پر رحمتِ دو عالم (ﷺ) نے انہیں لکھا کہ میرے لئے تمہارا مکہ میں رہنا زیادہ بہتر ہے۔ سہل بن ساعدی (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) نے حضور اکرم (ﷺ) سے ہجرت کی اجازت مانگی اس پر آپ نے انہیں لکھا کہ اے چچا تم اپنی جگہ رہو، اللہ تعالیٰ تم پر ہجرت کو ختم فرمائے گا۔ جس طرح کہ مجھ پر نبوت کو ختم فرمایا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عام الفتح میں انہوں نے ہجرت کی اور سرکار مدینہ (ﷺ) سے آکر مل گئے۔

سہمی کتاب الفضائل میں نقل کرتے ہیں کہ ابو رافع (رضی اللہ عنہ) نے جب پیارے آقا (ﷺ) کو حضرت عباس کے اسلام کی خوش خبری سنائی، تو نبی اکرم (ﷺ) نے ابو رافع (رضی اللہ عنہ) کو اسی وقت آزاد کر دیا۔ حضور اکرم (ﷺ) حضرت عباس کے اسلام لانے کے بعد ان کا بڑا اعزاز و اکرام فرماتے تھے اور ان کی بہت

تعریفیں کرتے تھے کہ وہ لوگوں میں سخی ترین اور مہربان ترین ہیں اور فرمایا میرے چچا بمنزلہ میرے والد کے ہیں، جس نے انہیں ایذاء پہنچائی، یقیناً اس نے مجھے ایذاء دی۔ یہ اس وقت فرمایا کہ حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) نے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آکر لوگوں کی شکایت کی اور کہا کہ ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ جب میں میں ان کے پاس جاتا ہوں تو انہیں ناگوار گزرتا ہے اور اپنی ان باتوں کو ہم سے چھپا لیتے ہیں جو وہ کر رہے ہوتے ہیں اور ہماری طرف محبت کی آنکھ نہیں اٹھاتے۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عباس بارگاہ رسالت میں آئے، رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب انہیں آتے دیکھا تو ان کی طرف کھڑے ہو کر بڑھے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور ان کو اپنے دائیں طرف بٹھایا اور فرمایا یہ میرے چچا ہیں، ہر ایک کو خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے چچا پر فخر کرے۔ اس پر حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی کہ "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ کتنی خوش آئند بات فرما رہے ہیں۔" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ، "کیوں نہ کہوں حالانکہ تم میرے چچا ہو اور بمنزلہ میرے والد کے ہو اور میرے اجداد کے بقیہ اور میرے وارث ہو اور بہترین شخص ہو، جسے میں اپنے اہل میں چھوڑے جاتا ہوں۔

ایک مرتبہ سرکارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ، "اے میرے چچا! اپنے گھر رہنا اور اپنے بچوں کو بھی باہر نہ بھیجنا، میں کل تمہارے یہاں آؤں گا، مجھے تم سے کام ہے۔" پھر جب حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے یہاں رونق افروز ہوئے، اپنی چادر مبارک ان پر ڈالی ایک روایت میں ہے، حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی چادر میں ڈھانپا اور فرمایا: "اے خدا! یہ میرے چچا اور میرے والد کے قائم مقام ہیں اور

ان کے یہ فرزنداں میری اہل بیت ہیں، ان سب کو آتش دوزخ سے ایسا ہی چھپا دے جیسا میں نے انہیں اپنی چادر میں چھپالیا ہے۔'' اس پر سب نے آمین کہی اور گھر کے درودیوار نے بھی آمین کہی۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ گھر کا کوئی پتھر اور ڈھیلا ایسا نہ تھا جس نے آمین نہ کہی ہو۔

ترمذی میں حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے مروی کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ہم سب کو اپنی چادر مبارک میں چھپالیا، اس کے بعد فرمایا، ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعَبَّاسٍ وَلَدِہٖ مَغْفِرَۃً ظَاھِرَۃً وَبَاطِنَۃً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا اَللّٰھُمَّ احْفِظْہُ فِیْ وَلَدِہٖ

حضرت عباس اور ان کے فرزندان شریف اور ان کی اولاد کے بارے میں کہ وہ ان کے بعد رہیں گے اور ان کی خلافت کی خبریں اور ان کی مدح، چادر شریف کا اوڑھانا ، دین کا اعزاز، ملت کی تقویت اور ان سے محبت رکھنے پر ترغیب وغیرہ امور کی خبریں اور حدیثیں نقل کی گئیں ہیں۔ ان میں سے بہت سے راوی ضعیف ومتروک ہیں، بلکہ کذب ووضع کا ان پر گمان ہے۔ اس قسم کی خبریں، حدیثیں اور آثار ان کی خلافت کے زمانے میں ظاہر ہوئیں۔

حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی وفات حضرت عثمان ذوالنورین (رضی اللہ عنہ) کے عہد خلافت میں ان کی شہادت سے دو سال پہلے بارہ یا چودہ ماہ رجب یا ماہ رمضان ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر شریف اٹھاسی کا نواسی سال کی تھی۔ وہ بتیس سال زمانہ اسلام میں رہے۔ بقیع شریف میں وہ مدفون ہوئے اور ان کے فرزند حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) نے انہیں قبر میں اتارا۔ حضرت عبداللہ بن عباس بھی عظیم

جلیل اور ترجمان القرآن اور ابوالخلفاء کے لقب سے مشہور ہوئے۔ منقول ہے کہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل (رضی اللہ عنہا) انہیں پیدائش کے بعد حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں لائیں۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور فرمایا ابوالخلفاء کو لے جاؤ۔ رواہ ابن حبان وغیرہ۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کی اولاد واحفاد زمین میں اتنی پھیلی کہ خلیفہ مامون رشید کے زمانہ میں آٹھ ہزار تک پہنچ گئی۔ اس خبر اور کثرت کو محال اور بعید جانا گیا ہے مگر یہ کہ لواحقین اور متبعین مراد لئے جائیں تو درست ہے۔

حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) سرکار دوعالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام چچاؤں میں سب سے کم عمر تھے۔ (مدارج النبوت جلد ۲۔ صفحہ ۸۴۴)

آپ کے فضائل ومناقب

☆ اللہ عزوجل کا فرمان عالیشان ہے، "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ☆ اللہ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

(پ ۲۲۔ الاحزاب۔ ۳۳)

اس آیت پاک کی مکمل تفسیر ووضاحت اہل بیتِ اطہار کے تحت گزر گئی ہے۔ وہیں یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ اہل بیت میں عورتیں اور مرد سب شامل ہیں۔

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا آپ کے وسیلہ سے دعا مانگنا

☆ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ جب لوگ قحط سے دوچار ہوتے

،تو حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)، حضرت عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے۔آپ کہا کرتے، ''اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ بِنَبِیِّنَا (صلی اللہ علیہ وسلم) فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا ۔یعنی اے اللہ! ہم تیرے نبی کے وسیلے سے بارش مانگا کرتے تھے، تو تو ہمیں سیراب فرماتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے محترم چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، پس ہم پر بارش برسا۔''... راوی کا بیان ہے کہ (اس دعا کی برکت سے) بارش ہو جاتی۔''

(بخاری۔باب ذکر العباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

علامہ عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس حدیث کے تحت ارشاد فرماتے ہیں، ''یہ اس سال کا واقعہ ہے، جسے عَامِ رَمَادَہ (ہلاکت کا سال) کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اس سال بہت سخت قحط پڑا تھا اور بارش نہ ہونے کے باعث زمین مٹی سے اٹی ہوئی تھی۔صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا یہ معمول تھا کہ جب بارش کی دعا کرتے، تو رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات مبارکہ میں آپ کے وسیلے سے دعا مانگتے تھے۔پھر آپ کے وصال ظاہری کے بعد حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے لوگوں کے ساتھ، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عم محترم حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کے وسیلے سے بارش کی دعا فرمائی۔چنانچہ ان حضرات نے آپ کو اس طرح آگے رکھا، جیسے مسلمانوں کا امام اس کے بارے میں سوال کرتا ہے۔اس لئے کہ آپ رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دیگر لوگوں کے مقابلے میں ذی رحم ہونے کے اعتبار سے اقرب تھے۔

ابو صالح کی حدیث میں ہے، ''جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ)، حضرت

عباس(رضی اللہ عنہ) کے ساتھ منبر پر چڑھے، تو عرض کی، ''اَللّٰھُمَّ اِنَّا تَوَجَّھْنَا اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ وَصِنْوِ اَبِیْہِ فَاسْقِنَا الْغَیْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِیْنَ۔ یعنی اے اللہ ! بے شک ہم تیری طرف تیرے نبی کے چچا اوران کے والد کی مثل کے وسیلے سے متوجہ ہوتے ہیں۔ پس تو ہمیں بارش سے سیراب فرما اور ہمیں مایوس ہو جانے والوں سے نہ بنا۔''...پھر آپ نے حضرت عباس(رضی اللہ عنہ) سے کہا،'' قُلْ یَااَبَاالْفَضْلِ !اے ابوالفضل اب آپ عرض کیجئے۔''...تو حضرت عباس(رضی اللہ عنہ) نے عرض کی، ''اَللّٰھُمَّ اَلَمْ یَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ یَکْشِفْ اِلَّا بِتَوْبَۃٍ وَقَدْ تَوَجَّہَ بِیَ الْقَوْمُ اِلَیْکَ لِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّکَ وَھٰذِہٖ اَیْدِیْنَا اِلَیْکَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِیْنَا بِالتَّوْبَۃِ فَاسْقِنَا الْغَیْثَ ۔ یعنی اے اللہ ! بلاء گناہوں کے سبب ہی نازل ہوتی ہے اور توبہ ہی سے دور ہوتی ہے اور بے شک میرے، تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جگہ ہونے کے سبب، قوم میرے ساتھ تیری طرف متوجہ ہوئی ہے، یہ ہمارے گناہ آلودہ ہاتھ تیری جانب اٹھے ہوئے ہیں اور ہم ایک دوسرے کو توبہ کی وصیت کرتے ہیں، پس تو ہم کو بارش سے سیراب فرمادے۔''...راوی فرماتے ہیں،''پس (اس دعا کی برکت سے) آسمان نے پہاڑوں کی طرح بارش برسائی حتی کہ زمین سرسبز ہوگئی اور لوگوں نے نئی زندگی پائی۔''

اس حدیث پاک سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

(۱)اِسْتِحْبَابُ الْاِسْتِشْفَاعِ بِاَھْلِ الْخَیْرِ وَالصَّلَاحِ وَاَھْلِ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ ۔یعنی اہل خیر وصلاح اور اہل بیت نبوت سے شفاعت ومدد طلب کرنے کا مستحب ہونا۔

(۲) فَضْلُ الْعَبَّاسِ (رضی اللہ عنہ) ۔یعنی حضرت عباس(رضی اللہ عنہ) کی

فضیلت۔

اور... (۳) فَضْلُ عُمَرَ (رضی اللہ عنہ) لِتَوَاضُعِهٖ لِلْعَبَّاسِ وَمَعْرِفَتِهٖ بِحَقِّهٖ۔ یعنی حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کے لئے عاجزی اختیار فرمانے اور ان کا حق پہچاننے کی بناء پر، حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت۔ (عمدۃ القاری۔ جلد ۵۔ صفحہ ۲۵۵)

اور حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں، ''حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) نے عام رمادہ میں حضرت عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) کے وسیلے سے پانی طلب فرمایا۔'' پھر آپ نے حدیث ذکر فرمائی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ''پس حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، ''اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) كَانَ يَرٰى لِلْعَبَّاسِ مَايَرَى الْوَلَدُ لِلْوَالِدِ فَاقْتَدُوْا اَيُّهَا النَّاسُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) فِيْ عَمِّهِ الْعَبَّاسِ وَاتَّخِذُوْهُ وَسِيْلَةً اِلَى اللّٰهِ۔ یعنی بے شک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کے لئے وہی گمان رکھتے تھے، جو ایک اولاد اپنے والد کے لئے رکھتی ہے۔ چنانچہ اے لوگو! تم ان کے چچا حضرت عباس کے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرو اور انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ۔'' ...اور اس حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ ''فَمَا بَرِحُوْا حَتّٰى سَقَاهُمُ اللّٰهُ۔ پس وہ لوگ ابھی وہاں سے ہٹنے بھی نہ پائے تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انہیں سیراب فرما دیا۔'' (فتح الباری۔ جلد ۲۔ ۶۲۹)

جس نے میرے چچا کو اذیت پہنچائی، اس نے مجھے اذیت دی

☆ عبدالمطلب بن ربیعہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضرت عباس بن

عبدالمطلب رضی اللہ عنہ حالتِ جلال میں نبی اکرم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں اس وقت آپ کے پاس موجود تھا، حضور اکرم (ﷺ) نے ان سے پوچھا، ''مَااَغْضَبَکَ ؟یعنی کس چیز نے آپ کو غضبناک کیا؟''...انہوں نے عرض کی، ''مَالَنَا وَلِقُرَیْشٍ اِذَا تَلاَقَوْا بَیْنَھُمْ تَلاَقَوْا بِوُجُوْہٍ مُبْشَرَۃٍ وَاِذَا لَقُوْنَا بِغَیْرِ ذٰلِکَ ؟''یعنی یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ! ہمارے (یعنی بنی ہاشم کے) بارے میں قریش کی عجیب حالت ہے، جب آپس میں ملتے ہیں تو مسکراتے ہوئے ملتے ہیں، لیکن جب ہم سے ملاقات کرتے ہیں، یہ حالت نہیں ہوتی ؟''...

راوی فرماتے ہیں (یہ سن کر) نبی اکرم (ﷺ) غصہ میں آگئے، یہانتک کہ چہرہ انور سرخ ہوگیا۔ پھر فرمایا، ''وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لاَ یَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْاِیْمَانُ حَتّٰی یُحِبُّکُمْ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ۔اس ذاتِ پاک کی قسم، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہ ہوگا، جب تک وہ اللہ تعالی اور اس کے رسول (ﷺ) کی خاطر تم (یعنی اہل بیت) سے محبت نہ رکھے۔ ''...پھر فرمایا، ''اَیُّھَا النَّاسُ ! مَنْ اٰذٰی عَمِّی فَقَدْ اٰذَانِیْ فَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْہِ ۔اے لوگو! جس نے میرے چچا کو اذیت پہنچائی، بے شک اس نے مجھے تکلیف دی ۔آدمی کا چچا، اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے۔''

(ترمذی۔ باب مناقب ابی الفضل عم النبی (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اولاً اس تفصیل کا جاننا بہتر رہے گا کہ

☆ عربوں کو چھ طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱)فَصِیلہ:۔ کنبے کو کہتے ہیں۔اس کی جمع فصائل آتی ہے۔

(۲)فَخذ:۔ چند فصائل کا مجموعہ فخذ کہلاتا ہے۔اس کی جمع افخاذ آتی ہے۔

(۳)بطن:۔ چند افخاذ کا مجموعہ بطن کہلاتا ہے۔اس کی جمع بطون ہے۔

(۴)عمارۃ:۔ چند بطون کا مجموعہ عمارۃ کہلاتا ہے۔اس کی جمع عمائر ہے۔

(۵)قبیلہ:۔ چند عمائر کا مجموعہ قبیلہ کہلاتا ہے۔اس کی جمع قبائل ہے۔

(۶)شَعب:۔ چند قبائل کا مجموعہ شعب کہلاتا ہے۔اس کی جمع شعوب ہے۔

(تفسیر مدارک)

اور... رحمتِ عالم (ﷺ) کا فرمان عالیشان ہے، ''اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وَلَدِ اِسْمٰعِیْلَ وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا مِّنْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ ۔یعنی بے شک اللہ عزوجل نے اولادِ اسمٰعیل (علیہ السلام) میں سے کنانہ کو اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔ (مسلم۔کتاب الفضائل)

یہاں کنانہ،قبیلہ...قریش،عمارہ..اور...بنی ہاشم فخذ ہے۔

اب حدیثِ پاک سے متعلقہ ضروری امور کی وضاحت یہ کہ،

حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی عرض کا مطلب یہ تھا کہ جب قریش آپس میں ملتے ہیں،تو خوب مسکرا کر اور ہشاش بشاش طریقے سے ملتے ہیں،لیکن جب ہم بنی ہاشم سے ان کی ملاقات ہوتی ہے،تو حسداً،ترشروئی اور سرد مہری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

رحمتِ عالم (ﷺ) کا حالتِ جلال میں تشریف لانا،یا تو حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) سے سرد مہری اختیار کرنے کا نتیجہ تھا..یا.قریش کا اس صفتِ مذمومہ میں مبتلاء ہونا

ناپسند محسوس ہوا۔

دل میں ایمان داخل نہ ہونے سے مراد، یا تو مطلقاً ہے یعنی ایسا شخص مؤمن ہو ہی نہیں سکتا، اس صورت میں سخت وعید ہے..اور.. یا پھر ایمان کامل کی نفی فرمانا مقصود ہے، یعنی ایسے شخص کا ایمان کامل نہ ہوگا۔اس صورت میں یہ جملہ اسے حاصل کرنے کی تاکیدِ شدید پر مشتمل ہوگا۔

اہل بیت سے محبت رکھنا اس حیثیت سے مطلوب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (ﷺ) کو ان میں رکھنا پسند کیا۔...اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے۔

قریش کے اس رویئے کا بڑا ذمہ دار ابوجہل تھا، کیونکہ یہ کہا کرتا تھا کہ جب بنو ہاشم نے قبیلے کا جھنڈا، حاجیوں کو سیراب کرنا اور نبوت ورسالت سب کچھ حاصل کرلیا، تو باقی قریش کے لئے کیا باقی بچا؟....

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رحمتِ عالم (ﷺ) کو حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) سے حد درجہ محبت تھی، جس کی بناء پر دیگر لوگوں کی جانب سے سرد مہری کے نتیجے میں ان کی دل آزاری ناگوارِ خاطر ہوئی اور ایسے کلمات کا صدور ہوا، جن کی نورانیت سے دیگر قلوب بھی، محبتِ عباس (رضی اللہ عنہ) کے سلسلے میں مائل بترقی ہوگئے۔

(مرقاۃ۔جلد ۱۱۔صفحہ ۳۸۷۔بتغیر ما)

عباس (رضی اللہ عنہ) مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں

☆حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے، رسول اللہ (ﷺ) نے

ارشاد فرمایا، ''اَلْعَبَّاسُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ۔ یعنی عباس مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔''

(ترمذی۔ باب مناقب ابی الفضل عم النبی (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

مراد یہ تھی کہ وہ مجھ سے متصل یا میرے اہل بیت یا اہل قرابت میں سے ہیں۔ (ایضاً)

سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعا

☆ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے فرمایا، ''اِذَا کَانَ غَدَاةَ الْاَ ثْنَیْنِ فَاْتِنِیْ اَنْتَ وَوَلَدُکَ حَتّٰی اَدْعُوَلَهُمْ بِدَعْوَةٍ یَنْفَعُکَ اللّٰهُ بِهَا وَوَلَدَکَ۔ یعنی جب پیر کی صبح ہو تو خود بھی میرے پاس آیئے اور اپنے تمام اولاد کو بھی لایئے تاکہ میں آپ سب کے لئے ایسی دعا مانگوں کہ جس سے اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کی اولاد کو نفع عطا فرمائے۔''...حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) ہمیں لے کر پیر کی صبح حاضر ہوئے، تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں ایک چادر اوڑھا کر دعا مانگی ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً لاَ تُغَادِرُ ذَنْبًا اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِیْ وَلَدِهٖ۔ اے اللہ! عباس اور ان کی اولاد کی ظاہری و باطنی ایسی مغفرت فرما، جو ان کے کسی گناہ کو باقی نہ رہنے دے۔ یا اللہ! تو ان کو، ان کی اولاد میں معزز رکھ۔''

(ترمذی۔ باب مناقب ابی الفضل عم النبی (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

چادر اوڑھانے کا مقصد، اس کی برکات سے مستفیض فرمانا تھا اور ظاہری و باطنی

مغفرت سے مراد، تمام ظاہری و باطنی گناہ وعیوب و نقائص سے نجات و دوری ہے۔

ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں، تورپشتی نے فرمایا، ''اس طرح چادر اوڑھا کر دعا مانگنے میں اس طرف اشارہ فرمانا مقصود تھا کہ یہ نفوس قدسیہ آپ کے مقربین اور ایک نفس کی مثل ہیں۔ اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال فرمایا کہ وہ انھیں اپنی رحمت سے اسی طرح ڈھانپ لے، جیسے اس چادر نے انہیں ڈھانپا ہوا ہے اور یہ کہ انہیں آخرت میں، آپ کے جھنڈے تلے اسی طرح جمع فرمائے۔ (ایضاً)

یقیناً یہ دعائے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)، بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہے۔ اس کی مقبولیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ﴾

حضرت جعفر بن ابو طالب (رضی اللہ عنہ) قریشی، ہاشمی، رسول اللہ (ﷺ) کے چچا زاد اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے سگے بھائی اور ان سے دس سال بڑے ہیں۔ آپ صورت و سیرت میں رسول اللہ (ﷺ) سے بہت زیادہ مشابہت رکھا کرتے تھے۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے قبول اسلام کے کچھ ہی عرصے بعد آپ نے بھی اسلام قبول فرما لیا تھا۔ ایک قول کے مطابق اکتیس دن بعد مسلمان ہوئے تھے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے آپ کی کنیت ابو المساکین رکھی تھی۔ اس کے علاوہ ابو عبد اللہ الطیار ذو الجنانین (یعنی دو پروں والے) اور ذو الھجرتین (یعنی دو ہجرتوں والے) بھی کہلاتے ہیں۔

آپ کو دین اسلام کی راہ میں دو مرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ حبشہ کی جانب اور دوسری بار مدینہ منورہ کی طرف۔ حبشہ کی جانب آپ کی ہجرت نجاشی کے لئے اسلام لانے کا سبب بنی تھی۔

آپ، ہجرتِ حبشہ کے بعد نجاشی کے پاس رہے، حتی کہ جب خیبر فتح ہو گیا، تو یہ پھر رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں گلے سے لگایا، ماتھے پر بوسہ دیا اور فرمایا، "نہیں معلوم کہ مجھے خیبر کی فتح کی زیادہ خوشی ہوئی ہے یا جعفر کے آنے کی۔ دیگر اصحاب کی طرح انہیں بھی خیبر کی غنیمت میں سے حصہ عطا کیا گیا۔

عروہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے آٹھ ہجری میں موتہ کی جانب لشکر بھیجا، جس میں آپ نے شہادت کا شرف حاصل کیا۔ بوقتِ شہادت بدن پر ستر سے

زائد زخم تھے۔کفار نے آپ کے دونوں ہاتھ کاٹ دئے تھے،لیکن آپ نے جھنڈا گرنے نہیں دیا تھا۔رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا،''اللہ تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں کے بدلے میں جعفر کو دو پر عطا فرمائے ہیں،جن کے ساتھ وہ جنت میں اڑتے ہیں۔

جب جنگ ہورہی تھی،تو رسول اللہ (ﷺ) فرمایا،''زید بن حارثہ نے جھنڈا لیا اور جنگ کی اور وہ شہید ہوگئے۔پھر جعفر نے جھنڈا لیا،جنگ کی اور وہ بھی شہید ہوگئے۔پھر فرمایا،''اب عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا لیا،جنگ کی اور شہید ہوگئے،پھر ان سب کو جنت کے سونے کے تخت پر اٹھالیا گیا۔''

مروی ہے کہ آپ کی شہادت کے بعد رسول اللہ (ﷺ) ان کی زوجہ اسماء بنتِ عمیس (رضی اللہ عنہا) کے پاس تشریف لائے اور ان سے تعزیت کی۔بوقتِ شہادت آپ کی عمر مبارک اکتالیس سال تھی۔(اسد الغابہ۔عمدۃ القاری)

﴿آپ کے فضائل ومناقب﴾

سرورِ عالم (ﷺ) سے صورت اور سیرت میں مشابہت

☆مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے آپ کے بارے میں فرمایا،''اَشْبَهْتَ خَلْقِيْ وَخُلُقِيْ۔یعنی آپ مجھ سے صورت اور سیرت میں مشابہت رکھتے ہیں۔''

(بخاری۔باب مناقب جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ).....)

فائدہ:۔

کسی معظم دینی سے سے صورتاً مشابہت کا حاصل ہوجانا،یقیناً انسان کے ذاتی کمال کا نتیجہ نہیں،بلکہ اس میں فقط اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی کارفرما ہے،اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتا ہے،هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ ۔(ترجمہ: وہی ہے کہ تمہاری تصویر بناتا ہے، ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے۔) (آل عمران۔٦)...

لیکن اس کے باوجود یہ امر انسان کے لئے اس لحاظ سے باعثِ فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مشابہت کے لئے اس کا انتخاب فرمایا۔ بلا ریب کسی معاملے میں اللہ تعالیٰ کا منتخب کردہ ہو جانا بہت بڑی سعادت ہے۔

اور کسی محترم شخصیت سے سیرتاً مشابہت میں، اللہ تعالیٰ کی عنایات کے ساتھ ساتھ انسانی کوششوں کو بھی دخل ہو سکتا ہے، اس اعتبار سے اسے انسانی کمال قرار دیا جاسکتا ہے اور بعطائے الٰہی آپ کے اس کمال پر فرمان رسول (ﷺ) ایک دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

غریبوں کے ساتھ سب سے زیادہ نیکی کرنے والے

☆ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں، ''کَانَ اَخْیَرُ النَّاسِ لِلْمِسْکِیْنَ جَعْفَرُ ابْنُ اَبِیْ طَالِب ۔ یعنی غریبوں کے ساتھ سب سے زیادہ نیکی کا سلوک کرنے والے حضرت جعفر بن ابو طالب (رضی اللہ عنہ) تھے۔ کَانَ یَقْلِبُ بِنَا فَیُطْعِمُنَا مَا کَانَ فِی بَیْتِہٖ ۔ جو کچھ بھی ان کے گھر میں ہوتا، ہمیں کھلا دیتے تھے۔ حَتّٰی کَانَ لَیُخْرِجُ اِلَیْنَا الْعُکَّۃَ الَّتِیْ لَیْسَ فِیْهَا شَیْءٌ ۔ یہاں تک کہ ہمارے پاس وہ کپی لے آتے، جس میں (بغیر توڑے کچھ نکل آنے کے اعتبار سے) کچھ نہ ہوتا تھا۔ فَنَشُقُّهَا فَنَلْعَقُ مَا فِیْهَا ۔ تو آپ اسے توڑ ڈالتے اور جو کچھ اس میں ہوتا، ہم اسے چاٹ لیتے۔''

(بخاری۔ باب مناقبِ جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ).....)

فائدہ:۔

ماقبل میں گزرا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے آپ کو ابوالمساکین کی کنیت سے نوازا تھا۔اس روایت کو، آپ کے اس کنیت کے حصول کے مستحق ہونے کے سلسلے میں بطور دلیل پیش کرنا بالکل درست ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کا "کَانَ اَخْیَرُ النَّاسِ" جیسے الفاظ کے ساتھ آپ کی خدمات کا اعتراف کرنے سے آپ کی فضیلت بخوبی واضح ہوتی ہے۔اور آپ کا یہ وصف، رسول اللہ (ﷺ) کی عادتِ کریمہ کے عین مطابق ہے۔اس لحاظ سے اس میں مزید پہلوئے منقبت نظر آتا ہے۔

جنتی پروں والے

☆ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا، "رَأَیْتُ جَعْفَرًا یَطِیْرُ فِی الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلَائِکَةِ۔یعنی میں نے جعفر کو جنت میں فرشتوں کے ہمراہ اڑتے دیکھا ہے۔" (ترمذی۔مناقب جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

اس کے تحت ملا علی قاری (رضی اللہ عنہ) تحریر فرماتے ہیں، "آپ نے موتہ کے مقام پر قتال فرمایا، یہاں تک آپ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹ دیئے گئے تھے ،پس رسول اللہ (ﷺ) کو بطورِ کشف دکھایا گیا کہ آپ دو خون آلودہ پروں کے ساتھ جنت میں فرشتوں کے ساتھ محوِ پرواز ہیں۔" (مرقاۃ۔جلد ۱۱۔صفحہ ۳۹۰)

مرقاۃ کی عبارت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ بطورِ کشف دکھایا تھا، رسول اللہ (ﷺ) خود جنت میں تشریف نہ لے گئے تھے۔لیکن ایک روایت میں

صراحتہً یہ الفاظ بھی ملتے ہیں،''دَخَلْتُ الْبَارِحَةَ الْجَنَّةَ فَرَأَيْتُ فِيْهَا جَعْفَرًا يَطِيْرُ مَعَ الْمَلَائِكَةِ۔ یعنی میں گزشتہ رات جنت میں گیا، تو میں نے جعفر کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ محو پرواز تھے۔'' رواہ الترمذی والحاکم۔

عمدۃ القاری میں نقل کردہ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں،''اِنَّ جَعْفَرًا يَطِيْرُ مَعَ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ لَهُ جِنَاحَانِ عَوَّضَهُ اللّٰهُ مِنْ يَدَيْهِ۔ یعنی بے شک جعفر، جبرئیل ومیکائیل (علیہ السلام) کے ساتھ اڑ رہے ہیں، آپ کے ذو پر ہیں، جو اللہ عزوجل نے آپ کے ہاتھوں کے عوض میں عطا فرمائے ہیں۔'' (جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۵۰)

سب سے زیادہ صاحبِ فضیلت

☆ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) بیان فرماتے ہیں کہ''مَا احْتَذَى النِّعَالَ وَلَا انْتَعَلَ وَلَا رَكِبَ الْمَطَايَا وَلَا رَكِبَ الْكُوْرَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) اَفْضَلُ مِنْ جَعْفَرِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، حضرت جعفر سے بہتر، نہ کسی نے جوتیاں پہنیں، نہ اونٹنی پر سوار ہوا اور نہ ہی گھوڑے کی زین پر سوار ہوا۔'' (ترمذی۔ مناقب جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

آپ کا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وفاتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد جن حضرات سے یہ امور سرزد ہوئے، ان میں سب سے افضل حضرت جعفر بن ابی طالب ہیں۔ یہ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی آپ سے حد درجہ محبت و اپنائیت کا اظہار ہے، ورنہ حقیقتاً افضلیت کا معیار اکثر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی رائے تھی، جس کا مکمل بیان پچھلے صفحات میں گزر گیا۔

﴿جگر گوشہ رسول، بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہ﴾

آپ رحمتِ عالم (ﷺ) کی سب سے زیادہ لاڈلی وچہیتی صاحبزادی ہیں۔ آپ کی والدہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) ہیں۔آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اس بارے میں کئی اقوال نقل فرمائے ہیں۔

(۱) آپ کی پیدائش، ولادتِ نبوی (ﷺ) کے اکتالیسویں سال ہوئی۔اہل سیر کے نزدیک یہ قول امام ابوبکر رازی (رحمہ اللہ) کا ہے۔

(۲) آپ اظہارِ نبوت سے قبل پیدا ہوئیں۔یہ قول ابن اسحٰق کا ہے۔

(۳) ابن جوزی کے نزدیک اظہارِ نبوت سے پانچ سال پہلے پیدائش ہوئی۔ مشہور تر روایت یہی ہے۔[۱] آپ کا نکاح ہجرت کے دوسرے سال رمضان المبارک میں، حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے ہوا۔جس وقت عقد نکاح ہوا، آپ پندرہ برس کی تھیں۔آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کی نسل پاک کا سلسلہ آپ سے جاری ہے۔آپ بے حد عبادت گزار اور صبر وتحمل کی پہاڑ تھیں۔

ایک مرتبہ حضرتِ علی (رضی اللہ عنہ) نے اپنے خادم سے ارشاد فرمایا، ''میں تمہیں خاتونِ جنت فاطمہ زہراء (رضی اللہ عنہا) کا واقعہ نہ سناؤں؟'' خادم نے عرض کی، ''ضرور ارشاد فرمایئے۔'' فرمایا ''چکی پیسنے کی وجہ سے ان کے ہاتھوں میں گڑھے پڑ گئے تھے، پانی کی مشک بھی خود ہی اٹھا کر لاتی تھیں جس سے سینے پر رسی کے نشانات نظر آتے تھے' نیز جھاڑو نکالنے کی وجہ سے کپڑے بھی گرد آلود ہو جایا کرتے

۱:۔مدارج النبوۃ۔صفحہ ۷۸۷

تھے۔

ایک بار رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں کچھ لونڈی غلام آئے، میں نے انھیں مشورہ دیا کہ ''موقع اچھا ہے اگر آپ رسول اللہ (ﷺ) سے ایک خادم مانگ لیں تو کام کاج میں بہت آسانی ہو جائے گی۔'' آپ نے میری بات مان لی اور بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں حاضر ہو گئیں لیکن لوگوں کی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے بغیر بات چیت کئے لوٹ آئیں۔

دوسرے دن سرکار (ﷺ) بنفسِ نفیس گھر تشریف لائے اور استفسار فرمایا، ''کل تم کس کام کے لئے آئی تھیں؟'' وہ خاموش رہیں، میں نے عرض کی، ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! فاطمہ خود ہی چکی پیستی ہیں، پانی بھی بھر کر لاتی ہیں، جس کی وجہ سے ہاتھوں اور سینے پر نشانات پڑ گئے ہیں اور جھاڑو وغیرہ دینے کی وجہ سے کپڑے بھی گرد آلود ہو جاتے ہیں، کل چونکہ آپ کی بارگاہ میں کچھ لونڈیاں اور غلام پیش ہوئے تھے، اس لئے میں نے ہی مشورہ دیا تھا کہ ایک خادم مانگ لائیں تاکہ کام کاج میں کچھ سہولت حاصل ہو جائے۔''

میری عرض سن کر رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، ''بیٹی فاطمہ! اللہ عزوجل سے ڈرتی رہو، فرائض کی پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ گھر کا کام کاج بھی اپنے ہاتھوں سے کرتی رہو اور جب سونے کے لئے لیٹو تو سبحان اللہ اور الحمد للہ تینتیس تینتیس (33) بار اور اللہ اکبر چونتیس بار (34) پڑھ لیا کرو، تو یہ تمہارے لئے خادم حاصل کرنے سے بہتر ہے۔'' حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے عرض کی، ''میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا پر راضی ہوں۔'' ﴿ابوداؤد﴾

ایک بار سرور کونین (ﷺ) سفر سے واپسی پر حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہ) کے مکان پر تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ دروازے پر ایک پردہ پڑا ہے اور حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں میں دو کڑے ہیں جو انہوں نے دو درہم میں خریدے تھے۔ آپ یہ دیکھ کر فوراً پلٹ آئے۔ سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہ) سمجھ گئیں کہ آپ کو ناگوار گزرا ہے۔ چنانچہ آپ نے فوراً ان کڑوں کو ڈیڑھ درھم میں فروخت کر دیا اور دروازے سے پردہ اتار دیا اور دونوں کو خیرات کر دیا۔ سرور عالم (ﷺ) اس سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اے فاطمہ (رضی اللہ عنہ)! تم نے اچھا کام کیا۔"

پردے کے معاملے میں بے حد احتیاط اور سختی فرمایا کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ جب وفات کا وقت آیا، تو حضرت اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا، مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میرا جنازہ کھلا لے جایا جائے۔" انہوں نے عرض کی، "میں نے سرزمین حبشہ میں دیکھا تھا کہ چارپائی پر درخت کی شاخیں ڈال کر اس پر کپڑا ڈال دیتے ہیں۔" آپ کو یہ طریقہ کار پسند آیا اور اسی کی وصیت فرمائی۔ حسبِ وصیت اسی طرح لے جایا گیا۔ نیز یہ بھی وصیت فرمائی کہ انہیں رات میں دفن کیا جائے، تا کہ کسی نامحرم کی نگاہ نہ پڑے۔ اس پر بھی عمل کیا گیا۔ تین رمضان ۱۱ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ بوقت وفات آپ کی عمر مبارکہ تیس برس تھی۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

﴿آپ کے فضائل ومناقب﴾

جنتی عورتوں کی سردار

☆ مروی ہے کہ رسول اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، "فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔"

(بخاری۔باب مناقب قرابۃ رسول اللہ (رضی اللہ عنہم) ومنقبۃ فاطمۃ (رضی اللہ عنہا))

فائدہ:۔

اس حدیث پاک سے بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا تمام عورتوں سے، خواہ وہ اس امت سے ہوں یا پچھلی امتوں سے، افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حقیقتِ حال تو اللہ عزوجل ہی بہتر جانتا ہے، بہر حال شیخ عبد الحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے "مدارج النبوت" میں اس بارے میں جو کچھ نقل فرمایا، بغرض معلومات حاضر خدمت ہے۔

مسند احمد میں سیدنا ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "جنتی عورتوں میں سب سے افضل سیدہ خدیجہ بنت خویلد، سیدہ فاطمہ بنت محمد، حضرت مریم بنت عمران اور آسیہ، فرعون کی بیوی (رضی اللہ عنھن) ہیں۔

ولی الدین بن العراقی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے فرمایا کہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) امہات المؤمنین میں بہرِ قول صحیح ومختار، افضل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) افضل ہیں۔ انتھی

شیخ الاسلام زکریا انصاری نے "لہجہ" میں فرمایا کہ ازواج مطہرات میں افضل سیدہ خدیجہ اور سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہما) ہیں اور ان دونوں کے درمیان افضلیت میں اختلاف ہے۔

ابن عماد نے تصریح کی ہے کہ سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) اس بنا پر افضل ہیں کہ یہ ثابت شدہ ہے کہ جب حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے عرض کیا کہ بلا شبہ حق تعالیٰ نے آپ کے لئے سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے بہتر زوجہ عطا

فرمائی۔" انہوں نے اس سے اپنے آپ کو مراد لیا اور خود کو سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) پر فضیلت دی۔ اس پر حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "نہیں! خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے بہتر مجھے زوجہ مرحمت نہ فرمائی، کیونکہ سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) مجھ پر اس وقت ایمان لائیں، جبکہ لوگ میری تکذیب کرتے تھے اور انہوں نے اپنے مال سے میری مدد ایسے وقت میں کی، جبکہ لوگوں نے مجھے محروم کر رکھا تھا۔

ابن داؤد سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے۔ فرمایا: "سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا)! اس لئے کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو رب نے اپنا سلام حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جبرائیل علیہ السلام کی معرفت کہلوایا اور حضرت خدیجہ کو رب تعالیٰ نے سلام جبرائیل علیہ السلام کی معرفت حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے کہلوایا۔ اس بنا پر سیدہ خدیجہ افضل ہوئیں۔ اس کے بعد ابن داؤد سے پوچھا گیا کہ "کون افضل ہیں، حضرت عائشہ یا فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ عنہا)؟" ابن داؤد نے فرمایا: "بلاشبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "فاطمہ میرا جگر گوشہ ہیں۔" اس بنا پر کوئی بھی حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پارۂ گوشت کے برابر نہیں ہے۔ میری اس بات کی گواہی نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ قول مبارک دیتا ہے جو سیدہ فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ عنہا) کے لئے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ جنتی عورتوں کی سردار ہو بجز مریم (رضی اللہ عنہا) کے۔ وہ حضرات جو حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کو فضیلت دیتے ہیں انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) آخرت میں حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہوں گی اور سیدہ فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ عنہا) حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ان

کے درجہ میں ہوں گی۔

حضرت شیخ تاج الدین سبکی (رحمہ اللہ) سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا جو کچھ ہم نے اختیار کیا ہے اور جو کچھ خدا کے نزدیک ہم نے اخذ کیا، یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ بنتِ محمد (رضی اللہ عنہا) افضل ہیں، ان کے بعد ان کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا)، ان کے بعد سیدہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا)۔ اور اس سے استدلال کیا ہے جو کہ پہلے گزرا۔

لیکن طبرانی میں ایک حدیث ہے کہ جہان کی عورتوں میں سے سب سے بہتر مریم بنتِ عمران پھر سیدہ خدیجہ بنتِ خویلد پھر فاطمہ بنتِ محمد پھر آسیہ (رضی اللہ عنھن) فرعون کی بیوی۔

ابن عماد نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کو جو فضیلت دی گئی ہے وہ باعتبار ماں ہونے کے ہے نہ باعتبار سیادت۔ اور سبکی نے یہ اختیار کیا ہے کہ مریم (رضی اللہ عنہا) افضل ہیں اس حدیث کی بنا پر اور ان کی نبوت میں اختلاف کی بناء پر۔ انتھی

ابو امامہ بن النقاش (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے فرمایا کہ سیدہ خدیجہ کی سبقت، اول اسلام میں ان کی تاثیر اور دین خدا کے قیام و نصرت اور اس کی تقویت میں اپنے مال کو خرچ کرنے میں ہے، کوئی ایک بھی اس میں ان کا شریک نہیں ہے، نہ سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) اور نہ کوئی امہات المؤمنین میں سے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کا آخر اسلام میں ان کا اثر اور امت کے ساتھ دین کو پھیلانے اور تبلیغ اسلام میں ان کی تلقین اور امت کا ان سے اسلام کے مسائل و احکام حاصل کرنا، یہ سب ایسی

خوبیاں ہیں، جن میں کوئی ان کا شریک نہیں ہے، نہ سیدہ خدیجہ اور نہ کوئی اور امہات المؤمنین میں سے۔ یہ ان کی امتیازی شان ہے جو ان کے سواء کسی میں نہیں ہے۔ ھذا کلہ فی المذاھب الحاصل، یہ وجوہ باعتبار اختلافِ حیثیات ہیں۔ (واللہ اعلم)

(مدارج صفحہ ۷۹۹...تا...۸۰۱)

آپ کی ناراضگی سے بچنے کا حکم

☆ حضرت مسور بن مخرمہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد ہے، "فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّیْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ۔ یعنی فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے، جس نے اسے غصہ دلایا، اس نے مجھے غصہ دلایا۔"

(بخاری۔ باب مناقب قرابۃ رسول اللہ (رضی اللہ عنہم) ومنقبۃ فاطمۃ (رضی اللہ عنہا))

فائدہ:۔

گویا کہ ان سے محبت، دراصل رسول اللہ (ﷺ) سے محبت کرنا ہے..اور..ان کو غضبناک کرنا گویا کہ رسول اللہ (ﷺ) کو غضبناک کرنا ہے۔

تم سب سے پہلے مجھ سے ملو گی

☆ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) کی تمام ازواج جمع تھیں، اتنے میں فاطمہ آئیں۔ جن کی چال، رسول اللہ (ﷺ) کی چال کے مشابہ تھی۔ رسول اللہ (ﷺ) نے انہیں ملاحظہ فرمایا تو کہا، "مَرْحَبًا یَا بِنْتِیْ! یعنی اے میری بیٹی خوش آمدید۔" پھر انہیں دائیں یا بائیں جانب بٹھالیا۔ پھر چپکے سے ان سے کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں۔ پھر آہستہ سے کوئی بات کہی، تو وہ ہنسنے لگیں۔ میں نے ان سے پوچھا، آپ کس وجہ سے روئیں تھیں؟" انہوں نے کہا، "میں رسول

اللہ (ﷺ) کا راز افشاء نہیں کروں گی۔''...میں نے کہا،''میں نے آج سے پہلے کوئی خوشی غم سے اتنے قریب نہیں دیکھی۔''...میں نے پھر ان سے دریافت کیا، تو انہوں نے وہی جواب دیا کہ میں رسول اللہ (ﷺ) کا راز افشاء نہیں کروں گی۔''...

جب رسول اللہ (ﷺ) کا وصال مبارک ہو گیا، تو میں نے پھر وہی سوال کیا، تو اب کی بار فاطمہ نے بتایا کہ''رسول اللہ (ﷺ) نے پہلی بار فرمایا تھا، اِنَّ جِبْرَئِيْلَ كَانَ يُعَارِضُهُ بِالْقُرْآنِ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً وَاِنَّهُ عَارَضَهُ بِهِ فِي الْعَامِ مَرَّتَيْنِ۔ یعنی جبریل میرے ساتھ ہر سال ایک مرتبہ قرآن کا دور کرتے تھے اور اس سال دو مرتبہ دور فرمایا ہے۔ وَلَا اَرَانِيْ اِلَّا قَدْ حَضَرَ اَجَلِيْ وَاِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِيْ لَحُوْقًا بِيْ وَنِعْمَ سَلَفٌ اَنَا لَكِ۔ اور میرا یہی گمان ہے کہ میرے وصال کا وقت آپہنچا ہے اور میرے اہل میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی اور میں تمہارے لئے بہترین پیش رو ہوں۔'' یہ سن کر میں رونے لگی۔ پھر آپ نے دوبارہ سرگوشی فرمائی تو فرمایا،''اَ لَا تَرْضَيْنَ اَنْ تَكُوْنَ سَيِّدَةَ النِّسَآءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔ یعنی کیا تم اس سے راضی نہیں کہ تم اس امت کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔''...تو میں اس کی وجہ سے ہنسنے لگی۔

(مسلم۔ باب فضائل فاطمۃ بنت النبی (رضی اللہ عنہا))

فائدہ:۔

علامہ نووی (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) ارشاد فرماتے ہیں،''یہ رحمتِ عالم (ﷺ) کا معجزہ ظاہرہ ہے، بلکہ دو معجزے ہیں، کیونکہ آپ نے اپنے بعد سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے باقی رہنے کی خبر عنایت فرمائی اور یہ کہ آپ سب سے پہلے، نبی پاک (ﷺ) سے ملیں گی۔ اور یہ اخبار اسی طرح وقوع پزیر بھی ہوئیں۔

اورسیدہ فاطمہ(رضی اللہ عنہا) کا آپ کے خبر دینے پر مسکرانا ثابت کرتا ہے کہ یہ نفوس قدسیہ، آخرت کو دنیا پر ترجیح دیا کرتے تھے، نیز دنیا سے خلاصی پانا اور آخرت کی جانب منتقل ہونا، انہیں خوش کرتا ہے۔ (شرح صحیح مسلم للنووی)

آپ کو تکلیف پہنچنے پر رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مضطرب ہونا

☆ حضرت مسور بن مخرمہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے میں نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ "اِنَّ بَنِی هِشَامِ بْنِ مُغِیْرَةَ اسْتَاذَنُوْنِیْ فِیْ اَنْ یَّنْکِحُوْا اِبْنَتَهُمْ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِب ۔ یعنی بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت مانگی کہ وہ اپنی لڑکی علی بن ابی طالب کے نکاح میں دیں۔ فَلَا اٰذِنُ ثُمَّ لَا اٰذِنُ ثُمَّ لَا اٰذِنُ لَهُمْ ۔ میں انہیں اجازت نہیں دیتا، پھر میں انہیں اجازت نہیں دیتا، پھر میں انہیں اجازت نہیں دیتا۔ اِلَّا اَنْ یُّحِبَّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اَنْ یُّطَلِّقَ اِبْنَتِیْ وَیَنْکِحَ اِبْنَتَهُمْ ۔ مگر یہ کہ علی بن ابی طالب میری صاحبزادی کو طلاق دیکر انکی لڑکی سے نکاح کرلے۔ فَاِنَّهَا بِضْعَةٌ مِّنِّیْ یُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَهَا وَیُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاهَا ۔ کیونکہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہیں، جو چیز اسے بے قرار کرتی ہے، وہ مجھے بھی بے قرار کرتی ہے اور جو چیز اسے اذیت دے، وہ میرے لئے بھی اذیت ناک ہے۔"

(مسلم۔باب فضائل فاطمۃ بنت النبی (رضی اللہ عنہا))

فائدہ:۔

علامہ نووی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس حدیث کے تحت ارشاد فرماتے ہیں، "علماءِ کرام نے فرمایا کہ اس حدیث سے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہر حال اور ہر صورت میں اذیت

دینے کی تحریم ثابت ہوئی۔ چاہے یہ ایذاء کسی عمل مباح کے نتیجے میں ہی کیوں نہ پیدا ہوئی ہو۔ (شرح صحیح مسلم للنووی)

اھل بیت کی محبت کو لازم کر لو

☆ حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) سے فرمایا، ''اَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَهُمْ وَسَالِمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ ۔ یعنی میں اس سے جنگ کروں گا، جوان سے لڑے گا اور اس سے صلح کروں گا، جوان سے صلح کرے گا۔''

(مشکوۃ بحوالہ ترمذی۔ باب مناقب اھل بیت النبی (رضی اللہ عنہم))

فائدہ:۔

حدیثِ پاک کا مطلب یہ ہے کہ جوان سے محبت کرے گا، میں بھی اس سے محبت کروں گا اور جوانہیں غضبناک کرے گا، وہ مجھے غضبناک کرے گا۔

سرکارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آپ کے لئے شفقت

☆ ام المومنین حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے فرماتی ہیں، ''میں نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی سے بڑھ کر کسی کو عادات، حسن سیرت اور وقار نیز اٹھنے بیٹھنے میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مشابہ نہیں دیکھا۔ جب آپ تشریف لاتیں تو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں چومتے اور اپنی جگہ بٹھاتے اور جب آپ ان کے ہاں تشریف لے جاتے، تو وہ کھڑی ہو جاتیں، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چومتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔''

(ترمذی۔ باب ماجاء فی فضل فاطمۃ (رضی اللہ عنہا))

لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب

☆ حضرت جمیع بن عمیر تیمی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں اپنی پھوپھی کے ہمراہ، سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا، "اَیُّ النَّاسِ کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ (ﷺ) ؟۔ یعنی رسول اکرم ﷺ کو لوگوں میں سے کون زیادہ محبوب تھا؟"... آپ نے جواب دیا "فَاطِمَۃُ۔"... میں نے عرض کی، "مِنَ الرِّجَالِ ؟"... یعنی مردوں میں سے کون؟"... فرمایا، "زَوْجُھَا۔ یعنی ان کے شوہر۔"

(ترمذی۔ باب ماجاء فی فضل فاطمۃ (رضی اللہ عنہا))

فائدہ:۔

اگر محبت کی زیادتی کو معیارِ فضیلت قرار دیا جائے، تو اس حدیث سے حضرت علی وفاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا تمام اصحابِ رسول (رضی اللہ عنہم) سے افضل واعلیٰ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن مذکورہ ضابطہ درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں، "ثُمَّ لَا یَلْزَمُ مِنْ اَکْثَرِیَّۃِ الْمَحَبَّۃِ تَحَقُّقُ الْاَفْضَلِیَّۃِ اِذْ مَحَبَّۃِ الْاَوْلَادِ وَبَعْضِ الْاَقَارِبِ اَمْرٌ جِبِلِّیٌّ مَعَ الْعِلْمِ الْقَطْعِیِّ بِاَنَّ غَیْرَھُمْ قَدْ یُوْجَدُ اَفْضَلُ مِنْھُمْ ۔ یعنی پھر محبت کی کثرت سے، افضلیت کا متحقق ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ اولاد و دیگر اقارب کی محبت، ایک فطری امر ہے، جب کہ اس بات کا علمِ قطعی ہے کہ انکے علاوہ ایسے نفوسِ قدسیہ موجود ہیں، جو ان سے افضل ہیں۔" (مرقاۃ۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۳۸۷)

رحمتِ عالم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، "جس نے مجھ سے، ان دونوں (یعنی حسن وحسین)، ان کے والد اور والدہ سے محبت کی، وہ بروزِ قیامت میرے ساتھ، میرے درجے میں ہوگا۔ (ترمذی)

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام خدیجہ اور والد کا نام خویلد بن اسد اور والدہ کا فاطمہ بنت زاہدہ ہے۔ آپ کی کنیت ام ہندہ تھی۔ رسول اللہ (ﷺ) کی سب سے پہلی زوجہ ہیں اور آپ کو ان سے بہت محبت تھی۔ جس کا بیان ذیل کی احادیث میں آئے گا۔ ان شاء اللہ (عزوجل)۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ مردوں اور عورتوں میں سے سب سے پہلے اسلام لانے کا شرف آپ کو ہی حاصل ہے۔

آپ عاقلہ، فاضلہ اور فرزانہ خاتون تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کا لقب طاہرہ تھا۔ عالی نسب اور بہت مالدار تھیں۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار قریش کے نتیجے میں رحمت عالم (ﷺ) غم اندوہ میں مبتلاء ہوتے تو آپ کو دیکھتے ہی سب غم دور ہو جاتا تھا اور سید عالم (ﷺ) خوش ہو جاتے۔

رسول اللہ (ﷺ) سے آپ کا نکاح، اظہارِ نبوت سے قبل ہوا۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آسمانی آفتاب ان کے گھر میں اتر آیا ہے اور اس کا نور انکے گھر سے پھیل رہا ہے، حتیٰ کہ مکے کا کوئی گھر ایسا نہ رہا کہ جس میں یہ نور نہ پھیل گیا ہو۔ جب بیدار ہوئیں تو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کو خواب سنایا۔ انہوں نے تعبیر بیان کی کہ نبی آخر الزمان (ﷺ) تم سے نکاح کریں گے۔ بوقت نکاح آپ کی عمر مبارک ۴۰ سال، جب کہ رحمت کونین (ﷺ) ۲۵ سال کے تھے۔ مہر میں ۲۹ جوان اونٹ مقرر ہوئے تھے۔ جب کہ ایک روایت کے مطابق بارہ اوقیہ سونا تھا۔[1] آپ حضور اکرم (ﷺ) کے ساتھ ۲۴ سال تک رہیں۔ جب تک آپ حیات رہیں، سرورِ کونین (ﷺ) نے کسی اور عورت سے عقد نہ فرمایا۔

نزول وحی سے قبل رحمتِ عالم (ﷺ) کی تمام اولادِ پاک آپ ہی سے ہے، یعنی بی بی فاطمہ، بی بی زینب، بی بی رقیہ، بی بی ام کلثوم، حضرت قاسم، طیب اور طاہر (رضی اللہ عنہ)۔ صرف حضرت ابراہیم (رضی اللہ عنہ) سیدہ ماریہ قبطیہ (رضی اللہ عنہا) سے پیدا ہوئے۔

آپ کے سن وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) ہجرت سے پانچ سال قبل...

(۲) ہجرت سے چار سال قبل...

(۳) ہجرت سے تین سال قبل۔

آخری قول ہی زیادہ صحیح ہے۔

آپ کا رمضان میں، بعثت کے دسویں سال میں وصال ہوا، بوقتِ وفات عمر مبارک ۶۵ سال تھی۔ اس وقت نمازِ جنازہ مشروع نہ ہوئی تھی۔ رحمتِ عالم (ﷺ) خود آپ کی قبر میں داخل ہوئے اور دعائے خیر فرمائی۔ مقبرہ حجون میں مدفون ہیں۔

(ماخوذ از اسد الغابہ۔ مدارج النبوت)

﴿آپ کے فضائل﴾

عورتوں میں سے بہترین عورت

☆ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا ''خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ۔ یعنی عورتوں میں سب سے بہترین عورت، مریم ہیں اور عورتوں میں سب سے بہترین عورت، خدیجہ ہیں۔

ا:۔ یعنی ۸۴ مثقال اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

(بخاری۔کتاب مناقب)

فائدہ:۔

یعنی اہل دنیا میں سے اپنے اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے بہتر بی بی مریم اور خدیجہ (رضی اللہ عنہا) ہیں۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ معنی یہ ہو کہ بی بی مریم بنی اسرائیل اور بی بی خدیجہ (رضی اللہ عنہا) اہل عرب کی عورتوں میں سے سب سے افضل ہیں۔(عمدۃ القاری۔جلد۱۱۔صفحہ۱۸۲)

عورتوں میں افضلیت کے اعتبار سے کون سب سے افضل ہے،اس کے بارے میں مفصل بیان بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے فضائل کے تحت،صفحہ 166 پر گزرا۔

موتی کے محل کی بشارت

☆حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازواج مطہرات میں سے کسی پر اتنا رشک نہیں کرتی، جتنا حضرت خدیجہ پر، حالانکہ وہ میرے نکاح سے پہلے ہی وفات پا چکی تھیں، لیکن میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کا ذکر فرماتے ہوئے سنتی تھی کہ ''وَاَمَرَهُ اللّٰهُ اَنْ يُّبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ مِّنْ قَصَبٍ ۔یعنی اللہ تعالی نے آپ کو حکم فرمایا کہ خدیجہ کو موتی کے محل کی بشارت دیجئے۔''...اور جب آپ کوئی بکری ذبح کرتے،تو ان کے ملنے والی عورتوں کو حسبِ حال گوشت بھیجتے۔''

(بخاری۔کتاب مناقب)

فائدہ:۔

چونکہ رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) اکثر ان کی مدح وثناء فرمایا کرتے تھے،لھذا سیدہ

عائشہ (رضی اللہ عنہا) رشک وغیرت میں مبتلاء ہوگئیں تھیں۔علامہ بدرالدین عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں، "وَفِیْہِ ثُبُوْتُ الْغَیْرَۃِ وَاِنَّھَا غَیْرُ مُسْتَنْکِرٍ وُقُوْعِھَا مِنْ فَاضِلاَتِ النِّسَآءِ فَضْلاً عَمَّنْ دُوْنَھَا۔ اس حدیث پاک میں (عورتوں کے آپس میں) غیرت (میں مبتلاء ہونے) کا ثبوت ہے اوراس کا کہ عورتوں میں سے فاضلات سے اس کا وقوع محال نہیں، چہ جائیکہ ان سے کم درجے کی عورتوں سے۔"....کچھ مزید آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ عورت کو غیرت، اپنے علاوہ کی محبت کو اپنی محبت سے زیادہ خیال کرنے کی بناء پر پیدا ہوتی ہے۔(عمدۃ القاری۔جلد ۱۱۔صفحہ۱۸۲)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ سب سے ادنی درجے کا جنتی وہ ہوگا کہ جسے جنت میں ہزار سال کی مسافت عطا کی جائے گی، تو اس کے مقابلے میں سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) جو اس قدر مرتبہ رکھتی ہیں، انہیں فقط ایک محل کی بشارت سے ہی کیوں نوازا گیا؟.....علامہ عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ (دیگر انعامات الٰہیہ کے علاوہ) ایک خصوصی زائد گھر ہوگا، جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اعمال کے ثواب سے تیار فرمایا ہے۔" (ایضاً)

سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کا آپ پر رشک کرنا

☆ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کسی زوجہ مطہرہ پر اتنا رشک نہیں آتا، جتنا حضرت خدیجہ پر، حالانکہ میں نے انہیں دیکھا نہیں ہے، لیکن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اکثر ان کا ذکر فرماتے رہتے ہیں اور جب آپ کوئی

بکری ذبح کرتے، تو اس کے اعضاء کو علیحدہ علیحدہ کر کے انہیں حضرت خدیجہ کی ملنی والی عورتوں کے لیے بھیجتے۔ کبھی میں اتنا عرض کر دیتی "کَاَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ فِی الدُّنْیَا اِمْرَاَۃٌ اِلَّا خَدِیْجَۃُ ؟ یعنی (آپ ان کا اتنی کثرت سے ذکر فرماتے ہیں) گویا کہ دنیا میں حضرت خدیجہ کے سوا اور کوئی عورت نہیں ہے؟"۔ تو آپ فرماتے "اِنَّھَا کَانَتْ وَکَانَتْ وَکَانَ لِیْ مِنْھَا وَلَدٌ۔ یعنی وہ ایسی ہی یگانہ روزگار تھیں اور میری اولاد بھی ان ہی سے ہے۔"

(بخاری۔ کتاب مناقب)

فائدہ:۔

جیسا کہ ماقبل میں گزرا کہ شفیع اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام اولادِ مبارکہ، آپ ہی سے ہے، صرف حضرت ابراہیم (رضی اللہ عنہ)، ام المؤمنین بی بی ماریہ قطبیہ (رضی اللہ عنہا) سے ہیں۔ یقیناً یہ بہت بڑے شرف کی بات ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سلسلہ اولادِ کریمہ کے لئے آپ کا انتخاب کیا گیا۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے، جو کائنات میں کسی اور عورت کو نہ نصیب ہوئی، نہ ہوگی۔

رب تعالیٰ کا آپ کو سلام

☆ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ حضرت جبرئیل (علیہ السلام)، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں آ کر عرض گزار ہوئے کہ "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذِہٖ خَدِیْجَۃُ وَاَتَتْ مَعَھَا اِنَاءٌ فِیْہِ اِدَامٌ اَوْ طَعَامٌ اَوْ شَرَابٌ فَاِذَا ھِیَ اَتَتْکَ فَاقْرَاْ عَلَیْھَا السَّلَامَ مِنْ رَّبِّھَا وَمِنِّیْ وَبَشِّرْھَا بِبَیْتٍ فِی الْجَنَّۃِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِیْہِ وَلَا نَصَبَ۔ یعنی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! یہ حضرت خدیجہ ہیں، جو ایک برتن لے کر آ رہی ہیں، جس میں سالن یا دیگر کھانے پینے کی چیزیں

ہیں۔ جب یہ آپ کے پاس آ جائیں، تو انہیں ان کے رب کا اور میرا سلام کہہ دیجئے گا اور انہیں جنت میں موتی کے ایسے محل کی بشارت عنایت فرمائیے، جس میں کوئی شور یا تکلیف نہیں۔"

(بخاری۔ کتاب مناقب)

فائدہ:۔

یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) کیا بی بی خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے سلام کی خوشخبری سننے کے بعد جواب ارشاد فرمایا تھا؟...

(۲) اگر فرمایا تھا، تو وہ کن الفاظ پر مشتمل تھا؟...

(۳) اور کیا جواب کے وقت حضرت جبرئیل (علیہ السلام) وہاں موجود تھے؟...

علامہ بدرالدین عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ان کے جوابات دیتے ہوئے لکھتے ہیں، "طبرانی نے اپنے روایت میں بیان کیا ہے کہ آپ نے جواباً کہا تھا، هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ عَلَى جِبْرَئِيْلَ (علیہ السلام)۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو سلام ہی ہے اور اس کی طرف سے حضرت جبریل (علیہ السلام) پر بھی سلام ہو"..اور..نسائی نے حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا کہ آپ نے کہا، "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَعَلَى جِبْرَئِيْلَ السَّلَامُ وَعَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. یعنی بے شک اللہ تعالیٰ تو سلام ہی ہے اور جبرئیل اور یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سلامتی، رحمت اور برکات نازل ہوں۔

اور جواب کے وقت حضرت جبرئیل وہاں موجود تھے۔"

(عمدۃ القاری۔جلد ١١۔صفحہ ٥٣٣)

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) نے جواب میں یوں کیوں نہ کہا، وَعَلَی اللّٰہِ السَّلَامَ۔ یعنی اور اللہ تعالیٰ پر بھی سلام ہو۔''؟....علامہ عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، ''اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے یعنی یہ اس کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے، چنانچہ جس طرح مخلوق کو جواب دیا جاتا ہے، ان الفاظ میں اللہ عزوجل کو جواب نہ دیا جائے گا۔ کیا دیکھا نہ گیا کہ جب بعض صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے تشہد میں ''اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ'' کہا تو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں اس سے منع فرمایا دیا اور فرمایا، ''اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّلَامُ۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ تو سلام ہی ہے۔ فَقُوْلُوْا اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ۔ چنانچہ یوں کہو، اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ۔''....اور اس لئے بھی کہ سلام، سلامتی کی ایک دعا بھی ہے، چنانچہ اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو جواب دیا جائے۔''.... بی بی خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے جواب '' ھُوَ السَّلَامُ وَعَلٰی جِبْرَئِیْلَ السَّلَامُ (علیہ السلام)۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو سلام ہی ہے اور اس کی طرف سے حضرت جبریل (علیہ السلام) پر بھی سلام ہو۔'' پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ''اس جواب میں سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے فہم کی صحت اور سوچنے سمجھنے کی قوی ہونے پر دلالت موجود ہے۔'' (ایضاً)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴾ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا﴿

آپ سیدنا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی صاحبزادی ہیں۔ اپنے بھانجے عبد اللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) کی نسبت سے "ام عبد اللہ" کنیت اختیار فرماتی تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) پیدا ہوئے، تو سرکارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کھجور نرم فرما کر ان کے تالو میں لگائی اور اپنا لعاب دہن اقدس ان کے منہ میں ڈالا اور سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا، "یہ عبد اللہ ہے اور تم ام عبد اللہ ہو۔"

آپ کی والدہ رومان بنتِ عامر، قبیلہ بنی کنانہ سے تھیں۔ جس وقت رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آپ کے لئے پیغام نکاح بھیجا، اس وقت آپ کی عمر مبارک چھ سال تھی۔ اسی عمر میں نکاح ہوا، لیکن رخصتی نو سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں، ۲ھ میں ہوئی۔ یہ نکاح اللہ کے حکم سے تھا، جیسا کہ عنقریب بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ (عزوجل)

آپ فقہاء وعلماء وفصحاء وبلغاء وعقلاء، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں سے تھیں۔ حدیثِ پاک مروی ہے کہ "خُذُوْا ثُلُثَیْ دِیْنِکُمْ مِنْ ھٰذِہِ الْحُمَیْرَآءِ۔ یعنی تم اپنے دین کا دو تہائی حصہ اس حمیراء یعنی عائشہ سے حاصل کرو۔"

صحابہ وتابعین (رضی اللہ عنہم) کی جماعتِ کثیرہ نے آپ سے حدیث روایت کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ کتبِ معتبرہ میں آپ سے ۲۲۰۰ احادیث مروی ہیں۔ عروہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے، "میں نے کسی کو معانی قرآن، احکام حلال وحرام، اشعار عرب، اور علم النساب میں سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔"

اس کے باوجود بے حد منکسر المزاج تھیں۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا، "اللہ تعالیٰ نے میرے ذکر اور صفت کی قرآن میں خبر دی ہے۔" پوچھا گیا، وہ کون سا مقام ہے؟"... فرمایا، "یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا، "وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ط عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ۔ (ترجمہ: اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک اچھا کام اور دوسرا برا، قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے۔ (التوبہ ۱۰۲)

حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) کسی غزوہ میں تشریف لے گئے تھے، میں آپ کی واپسی کا انتظار کیا کرتی تھی۔ ہمارے ہاں ایک رنگین بچھونا تھا، میں نے اسے چھت کے ایک شہتیر پر لپیٹ دیا۔ جب آپ تشریف لائے تو میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا "السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! سب ستائش خدا کے لئے ہے جس نے آپ کو شرف و بزرگی بخشی۔"

آپ نے گھر میں اس رنگین بچھونے کو دیکھ کر میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے آپ کے چہرۂ مبارک پر کراہت کے آثار دیکھے، آپ نے اس بچھونے کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ خدا نے ہمیں جو کچھ دیا ہے، اس کے بارے میں یہ حکم نہیں فرمایا کہ اینٹ پتھر کو پہنا دیں۔" چنانچہ میں نے اس کے دو تکیے بنا لئے جن میں کھجور کی چھال بھر دی گئی تھی۔ رسول اللہ (ﷺ) نے اس پر اعتراض نہ فرمایا۔" ﴿مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد﴾

حضرت علقمہ (رضی اللہ عنہ) اپنی والدہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہا)، حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انھوں نے ایک باریک دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ سیدہ عائشہ نے اسے پھاڑ دیا

اور انہیں موٹا دوپٹا اوڑھادیا۔ ﴿مشکوۃ بحوالہ مؤطا امام مالک﴾

وضاحت:۔ چونکہ پیارے آقا ﷺ نے عورت کے تمام بدن کو بالوں سمیت ستر قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا،

" عورت جب بلوغت کو پہنچ جائے تو جائز نہیں کہ اس کا کوئی حصہ دیکھا جائے سوائے اس کے، اور اس کے، اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا۔" (ابوداؤد)

اور ستر چھپانا فرض ہے، نیز اتنا باریک دوپٹہ کہ جس سے بالوں کی سیاہی چمکے' ستر چھپانے کا کام نہیں دے سکتا' چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے ان کے باریک دوپٹے کو پھاڑ کر موٹا دوپٹہ عنایت فرمایا۔ انتھی

رحمتِ عالم (ﷺ) کا آپ سے حددرجہ محبت فرمانا، آپ کے اعظم فضائل ومناقب میں سے ہے۔ حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) مروی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی پیدا ہونے والی محبت، رسول اللہ (ﷺ) کی سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے ہے۔"...مروی ہے کہ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتیں۔ جب رسول اللہ (ﷺ) تشریف لاتے، تو وہ لڑکیاں ہیبت وشرم کے باعث باہر نکل جاتیں۔ رحمتِ عالم (ﷺ) ان لڑکیوں کے پیچھے تشریف لے جاتے اور ان کو دوبارہ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس بھیج دیتے، تاکہ ان کے ساتھ کھیلیں۔

اخلاقی حیثیت سے بھی آپ بلند مقام رکھتی تھیں، نہایت قانع تھیں اور غیبت سے احتراز کرتی تھیں۔ احسان کم قبول کرتیں اگرچہ خودستائی ناپسند تھی تاہم نہایت خود دار تھیں۔ شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔

ان کا سب سے نمایاں وصف جود وسخا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا۔ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں لاکھ درہم بھیجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔اتفاق سے اس دن روزہ رکھا ہوا تھا۔لونڈی نے عرض کی کہ افطار کے لئے کچھ نہیں ہے۔فرمایا پہلے کیوں نہ یاد دلایا۔(مستدرک حاکم ج ۴)

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جوان کے متبنی (یعنی منہ بولے بیٹے) اور بھانجے تھے۔ان کی فیاضی دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا کہ ان کا ہاتھ روکنا چاہیئے۔ آپ کو معلوم ہوا تو سخت ناراض ہوئیں اور قسم اٹھائی کہ ان سے بات نہیں کریں گی۔ چنانچہ ابن زبیر (رضی اللہ عنہ) ایک مدت تک زیرِ عتاب رہے اور بڑی مشکل سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا غصہ دور ہوا۔(بخاری)

آپ نو سال تک رحمت ِکونین (ﷺ) کے ساتھ رہیں۔جس وقت سرکار (ﷺ) نے وصال فرمایا، آپ کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔

آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) ۵۷ھ میں ہوئی۔

(۲) منگل کے روز، ۱۷رمضان، ۵۸ھ میں ہوئی۔

جس وقت آپ کا وصال ہوا، عمر مبارک تقریباً ۶۶ سال تھی۔آپ کی نمازِ جنازہ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے پڑھائی اور حسبِ وصیت رات کے وقت بقیع شریف میں دفن کی گئیں۔آپ کو، آپ کے پانچ بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا۔

(ماخوذ از اسد الغابہ۔مدارج النبوت)

آپ کے فضائل ومناقب

لوگوں میں زیادہ محبوب

☆ حضرت عمرو ابن العاص (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے غزوہ ذات السلاسل کا امیر لشکر بنا کر روانہ فرمایا۔ جب میں آپ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا، تو عرض کی، ''اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ؟''... یعنی لوگوں میں سے آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟''... فرمایا، ''عَائِشَۃُ۔'' میں نے پھر عرض کی ''مِنَ الرِّجَالِ ؟... یعنی مردوں میں سے؟''... فرمایا، ''اَبُوْھَا۔ یعنی ان کے والد۔'' میں نے پھر عرض کی، ''ثُمَّ مَنْ؟ ۔ پھر کون؟ فرمایا، ''عُمَرُ بْنُ خَطَّابِ۔''... اور ان کے بعد چند دوسرے حضرات کو شمار فرمایا۔ (بخاری شریف۔ باب فضائل اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)......)

فائدہ:۔

عورتوں میں سے کون سی خاتون افضل واعلیٰ ہیں، اس کا مفصل بیان بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہ) کے فضائل میں صفحہ..... 166 پر گزرا، وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے۔ نیز آگے بھی اس کے بارے میں کلام کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ (عزوجل)

آپ کو حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کا سلام کہنا

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''یَا عَائِشُ ھٰذَا جِبْرِیْلُ یَقْرَءُ کِ السَّلَامَ ۔ یعنی اے عائشہ! یہ جبرئیل ہیں، تمہیں سلام کہتے ہیں۔''... میں نے جواب دیا، ''وَعَلَیْہِ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ یعنی ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی، رحمت اور برکات نازل ہوں۔ (یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)!) آپ وہ ملاحظہ فرماتے ہیں، جو میں نہیں دیکھتی۔'' (بخاری شریف۔ باب فضل عائشۃ (رضی اللہ عنھا))

فائدہ:۔

اس حدیث میں حضرت جبرئیل کی جانب سے سلام، سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) پر اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم کی اطلاع دے رہا ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیثِ پاک کی بناء پر سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہ) کے آپ سے افضل ہونے پر دلیل پکڑی ہے، کیونکہ سرکارِ نامدار (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا تھا، ''اِنَّ جِبْرِیلَ یَقْرَءُکِ السَّلَامَ مِنْ رَّبِّکِ۔ یعنی بے شک جبرئیل، تمہیں تمہارے رب کی جانب سے سلام کہتے ہیں۔'' جب کہ اس مقام پر خاص جبرئیل (علیہ السلام) کی جانب سے سلام ہے۔

(عمدۃ۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۹۰)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے سیدہ عائشہ کے روبرو آکر خود ہی سلام کیوں نہ کہا؟ جیسا کہ بی بی مریم (رضی اللہ عنہا) سے سامنے آکر کلام کیا تھا؟

علامہ عینی (رحمۃ اللہ علیہ) اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، ''اس کی وجہ یہ ہے کہ بی بی مریم (رضی اللہ عنھا) شوہر سے خالی تھیں، چنانچہ ان سے روبرو کلام فرمایا، جب کہ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) چونکہ سردارِ امت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زوجیت میں تھیں ،لھذا ان کا احترام کیا، جس طرح رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے، حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے خواب میں دیکھے جانے والے محل کا، ان کی غیرت کا خیال کرتے ہوئے احترام فرمایا تھا۔'' (عمدۃ۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۵۷۸)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر فساد کا خوف نہ تو کسی اجنبیہ کو سلام کرنا اور اجنبیہ کا جواب دینا جائز ہے۔ (ایضاً)

عورتوں میں سے کامل ترین

☆حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "کَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ کَثِیْرٌ وَّلَمْ یُکَمِّلْ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَاٰسِیَۃُ امْرَأَۃُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَآءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَائِرِ الطَّعَامِ ۔یعنی مردوں میں بہت سے افراد کامل ہوئے، لیکن عورتوں میں سے مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی کامل نہ ہوئی اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر اس طرح ہے، جیسے ثرید کی تمام کھانوں پر۔"

(بخاری شریف۔ باب فضل عائشۃ (رضی اللہ عنہا))

فائدہ:۔

یہاں کمال سے مراد "مردوں کے تمام فضائل کی انتہاء کو پہنچنا" ہے۔ علامہ عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) لکھتے ہیں،

"بعض لوگوں نے اس حدیث پاک سے استدلال کیا کہ بی بی آسیہ اور بی بی مریم (رضی اللہ عنہا) نبی ہیں۔ کیونکہ نوع انسانی میں سے اکمل ترین انبیاء (علیہم السلام) ہیں، پھر اولیاء، پھر صدیقین اور پھر شہداء۔ پس اگر یہ دونوں نبی نہ ہوں، تو لازم آئے گا کہ عورتوں میں کوئی بھی ولیہ وصدیقہ وشہیدہ نہ ہو (کیونکہ نبی اکرم (ﷺ) نے ان کے علاوہ عورتوں کے کامل ہونے کی نفی فرمائی ہے) حالانکہ حقیقت میں یہ صفات، عورتوں میں سے کثیر میں موجود ہیں۔ تو گویا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، "عورتوں میں سے کوئی نبی نہ ہوئیں سوائے فلانہ اور فلانہ کے۔"

اس خیال کا رد اس طرح کیا گیا ہے کہ لفظ کمال سے ان کا نبی ہونا لازم نہیں آتا

، کیونکہ اس لفظ کا اطلاق اس وقت کیا جاتا ہے کہ جب کوئی شے مکمل ہو جائے اور جس چیز سے تعلق رکھے، اس میں اپنی انتہاء کو پہنچ جائے۔ چنانچہ فرمان نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں، عورتوں سے تعلق رکھنے والے تمام فضائل میں اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اور کرمانی فرماتے ہیں کہ "بے شک عورتوں کے نبی نہ ہونے پر علماء کا متفق ہونا نقل کیا گیا ہے۔" (عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۱۴۵)

ثرید اس سالن کو کہتے ہیں، جس میں شوربے والا گوشت ہو اور روٹی کو اس میں توڑ کر نرم کیا گیا ہو۔ علامہ عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں، "وَالظَّاهِرُ اِنَّ فَضْلَ ثَرِيْدٍ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ اِنَّمَا كَانَ فِيْ زَمَنِهِمْ لِاَنَّهُمْ قَلَّمَا كَانُوْا يَجِدُوْنَ طَبِيْخاً وَلَا سِيَّمَا اِذَا كَانَ بِاللَّحْمِ۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ ثرید کی تمام کھانوں کی فضیلت، محض صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے زمانے کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ وہ حضرات بہت کم پکی ہوئی چیزیں پاتے تھے، خاص طور پر جب کہ وہ گوشت کے ساتھ ہو۔ وَاَمَّا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ فَاَطْعِمَةٌ مَعْمُوْلَةٌ مِنْ اَشْيَاءِ كَثِيْرَةٍ مُتَنَوَّعَةٍ فِيْهَا مِنْ اَنْوَاعِ اللُّحُوْمِ وَمَعَهَا اَنْوَاعٌ مِّنَ الْخُبْزِ الْحُوَّارِى فَلَا يُقَالُ اِنَّ مُجَرَّدَ اللَّحْمِ مَعَ الْخُبْزِ الْمَكْسُوْرِ اَفْضَلُ مِنْ هٰذِهِ الْاَطْعِمَةِ الْمُخْتَلِفَةِ الْاَجْنَاسِ وَالْاَنْوَاعِ وَهٰذَا ظَاهِرٌ لَا يَخْفٰى۔ اور بہر حال ہمارے اس زمانے میں تو کھانے مختلف اقسام کی کثیر اشیاء سے تیار کیے جاتے ہیں، جس میں گوشت کی بھی کئی انواع ہوتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ میدے والی روٹی کی بھی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ چنانچہ نہ کہا جائے گا کہ صرف گوشت اور اس میں توڑی ہوئی روٹی، ان مختلف اجناس وانواع پر مشتمل کھانوں سے افضل ہے۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے، مخفی نہیں ہے۔" (عمدۃ۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۹۱)

علامہ عینی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ثرید کی افضلیت کا معیار، اس میں اشیاء کی کثرت کو بنایا ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک یہ وجہ فضیلت نہ ہو، بلکہ ثرید کے زود ہضم ہونے کا اعتبار فرمایا ہو، کیونکہ یقیناً ثرید جتنی جلدی ہضم ہوتا ہے، مختلف اشیاء سے تیار کردہ کھانا اتنی جلدی ہضم نہیں ہوسکتا، بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ ایسا کھانا بہت دیر میں ہضم ہوتا ہے اور اکثر وبیشتر بدہضمی کا سبب بن جاتا ہے۔ اگر اس کی زود ہضمی کو وجہ فضیلت قرار دیا جائے تو حدیث فقط اس زمانے کے کھانوں کو شامل نہ رہے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی تمام عورتوں پر فضیلت سے مراد اس امت کی عورتوں پر فضیلت رکھنا ہے۔ لیکن اس سے آپ کا تمام سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ فضیلت اور افضلیت میں فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آپ کی فضیلت کو ثرید کی فضیلت سے تشبیہہ دی ہے، کیونکہ ثرید تیار ہونے کے اعتبار سے آسان اور ہضم ہونے کے اعتبار سے سہل ہے۔ اور مخفی نہیں ہے کہ ثرید کو فقط ان خصائل کی بناء تمام کھانوں پر افضلیت حاصل نہیں ہوسکتی۔

اس کے ساتھ ساتھ اس پر قوی دلیل یہ بھی ہے کہ صحیح طریق سے بعض مروی حدیث، سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی افضلیت پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے آپ کے بارے میں مروی ہے، "خَیْرُ النِّسَاءِ خَدِیْجَۃُ (رضی اللہ عنہا)۔ عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ (رضی اللہ عنہا) ہیں۔"

اسی طرح بعض ایسی احادیث ہیں، جن سے سیدہ خدیجہ اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جیسا امام احمد، ابن حبان، ابو یعلی، طبرانی، ابوداؤد اور

حاکم ہتمام نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، "اَفْضَلُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ مُرْيَمُ اِبْنَةُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ اِمْرَأَةُ فِرْعَوْنَ ۔یعنی اہل جنت عورتوں میں سے سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور فرعون کی زوجہ آسیہ ہیں۔"

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے احمد ونسائی اور ابن عساکر (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے، ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا، "ایک مرتبہ رسول اللہ (ﷺ) نے زمین چار لکیریں کھینچیں، پھر فرمایا اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَا؟ یعنی تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟"۔۔۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی، "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ۔اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی بہتر جانتے ہیں۔" تو رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، "اَفْضَلُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ اِمْرَأَةُ فِرْعَوْنَ۔ یعنی اہل جنت عورتوں میں سے سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور فرعون کی زوجہ آسیہ بنت مزاحم ہیں۔"

اور بعض مرویات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چاروں میں سے بی بی فاطمہ اور بی بی مریم کو افضلیت حاصل ہے۔جیسا کہ طبرانی نے اوسط میں ابوہریرہ سے اور امام احمد نے ابوسعید سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ النِّسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا مَاكَانَ مِنْ مَرْيَمَ بِنْتِ عِمْرَانَ ۔یعنی فاطمہ، اہل جنت عورتوں کی سردار ہیں، سوائے ان کے جو ان سے پہلے گزریں یعنی مریم بنت عمران۔ (رضی اللہ عنہم)"

اس آخری حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بی بی مریم، سیدہ فاطمہ سے بھی افضل ہیں، کیونکہ سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کا استثناء فرمایا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں افضلیت میں برابر ہوں۔ (ملخص از عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۱۴۶)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آپ کے لئے محبت

☆ حضرت اسامہ بن ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مرض وفات میں تھے، تو آپ نے اپنی تمام ازواج میں دور شروع فرمایا۔ آپ جس کے ہاں بھی ہوتے، سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہ) کے گھر کی جانب میلان طبع کے باعث دریافت فرماتے، "اَیْنَ اَنَا غَدًا؟ اَیْنَ اَنَا غَدًا؟ یعنی کل میری باری کس کے ہاں ہوگی؟ کل میری باری کس کے ہاں ہوگی؟"... سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں، "فَلَمَّا کَانَ یَوْمِیْ سَکَنَ۔ پس جب میرا دن آیا، تو آپ کو سکون محسوس ہوا۔"
(بخاری شریف۔ باب فضل عائشۃ (رضی اللہ عنہا))

فائدہ:۔

اس روایت سے رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے غایت درجہ محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مخفی نہیں کہ جس سے حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) اس حد تک محبت فرماتے ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں کتنا محبوب رکھتا ہوگا، کہ محبوب کا محبوب، محبوب ہوتا ہے۔

ازواج مطہرات میں افضلیت

☆ حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ لوگ، سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی باری کے دن بارگاہِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہدیات پیش کیا کرتے تھے۔ اس پر تمام ازواج

مطہرات حضرت ام سلمہ کے پاس جمع ہوئیں اور کہنے لگیں، ''اے ام سلمہ! خدا کی قسم، لوگ اپنے ہدیے بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں اس روز پیش کرتے ہیں، جب عائشہ صدیقہ کے ہاں باری ہوتی ہے، حالانکہ ہم بھی اسی طرح خیر چاہتی ہیں، جس طرح عائشہ چاہتی ہیں، لھذا آپ، رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں عرض کریں کہ وہ لوگوں کو یہ حکم فرمادیں کہ میری خدمت میں ہدیے پیش کرکیا کرو، خواہ میں کسی جگہ یا کسی مکان میں ہوں۔''...

ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اسی طرح عرض کردی، تو آپ نے مجھ سے اعراض فرمایا۔ پھر جب میں نے دو تین مرتبہ یہ بات دہرائی، تو آپ نے ارشاد فرمایا، ''یَااُمَّ سَلَمَةَ! لَا تُؤْذِیْنِیْ فِیْ عَائِشَةَ فَاِنَّهٗ وَاللّٰهِ مَانَزَلَ عَلَیَّ الْوَحْیُ وَاَنَا فِیْ لِحَافِ امْرَأَةٍ مِنْكُنَّ غَیْرِهَا ۔یعنی اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف نہ پہنچاؤ، کیونکہ خدا کی قسم، عائشہ کے سوا، تم میں سے کسی کے لحاف کے اندر مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔''

(بخاری شریف۔باب فضل عائشہ (رضی اللہ عنہا))

فائدہ:۔

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہ) کا سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی باری کے دن خاص طور پر ہدیات بھیجنا، رسول اللہ (ﷺ) کی رضا کے حصول کے لئے تھا۔ جیسا کہ بخاری کے ''باب قبول الھدیۃ'' میں سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے منقول ہے کہ ''اِنَّ النَّاسَ كَانُوْا یَتَحَرُّوْنَ بِهَدَایَاهُمْ یَوْمَ عَائِشَةَ یَبْتَغُوْنَ بِهَا مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ﷺ)۔ یعنی لوگ میری باری کے دن، رسول اللہ (ﷺ) کی رضا کی تلاش میں

ھدایا بھیجا کرتے تھے۔"

دیگر ازواج کا بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں عرض کرنا، معاذ اللہ (عزوجل) شکایۃً نہ تھا، بلکہ فطری غیرت کا نتیجہ تھا، جس پر شرعی لحاظ سے کوئی گرفت نہیں، ورنہ سرکار (ﷺ) اس پر ضرور عتاب فرماتے۔ اس کے بارے میں کلام بی بی خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے فضائل میں گزر گیا۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

ضمناً پیش کی گئی حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ (ﷺ) کی رضا کے حصول کے لئے کوشش کرنا، صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) کی سنتِ کریمہ ہے۔

رسول اللہ (ﷺ) کو خواب میں آپ کی صورت دکھائی گئی

☆ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ "رسول اللہ (ﷺ) نے مجھ سے فرمایا، "تم مجھے تین راتوں تک خواب میں دکھائی گئیں۔ فرشتہ، تمہیں ایک ریشمی کپڑے میں لے کر آیا اور مجھ سے کہا، "ھٰذِہٖ امْرَأَتُکَ۔ یعنی یہ آپ کی زوجہ ہیں۔" میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا اٹھایا، تو وہ تم تھیں۔ تو میں نے کہا، "اِنْ یَکُ ھٰذَا مِنْ عِنْدَ اللّٰہِ یُمْضِہٗ۔ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے، تو وہ اسے پورا کرے گا۔"

(مسلم۔ کتاب فضائل الصحابہ (رضی اللہ عنھم))

فائدہ:۔

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء (علیھم السلام) کا خواب حق اور وحی الٰہی کی ایک صورت ہے، تو پھر آخر میں رحمتِ عالم (ﷺ) نے اس طرح کیوں فرمایا کہ "اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے۔" کیونکہ اگر کا لفظ شک کے مقام پر بولا جاتا

ہے؟....

اس کا جواب دیتے ہوئے ملا علی قاری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں، ''شرح صحیح مسلم میں ہے، قاضی عیاض (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ارشاد فرمایا، ''اگر یہ خواب، اظہارِ نبوت اور آپ کے خوابوں کے، بے حقیقت باتوں کے اختلاط سے پاک ہونے سے پہلے کا ہے، تو اس کا معنی ہوگا کہ اگر یہ خواب حق ہے، تو یہی ہوگا۔''...اور اگر اظہارِ نبوت کے بعد کا ہے، تو اس کے تین معانی ہوسکتے ہیں۔

(۱) مراد یہ تھی کہ ''اگر یہ خواب عائشہ کے چہرے اور ان کے ظاہر پر واقع ہوا ہے، تو تعبیر وتفسیر کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ اسے پورا فرمائے گا۔''...پس شک اس بات میں تھا کہ یہ خواب سیدہ عائشہ کے ظاہر پر واقع ہوا تھا..یا..تعبیر وتفسیر اور ظاہر سے صرفِ نظر کرنے کی ضرورت ہے۔

(۲) مراد یہ تھی کہ ''اگر یہ زوجہ ہونا دنیا میں ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے پورا فرمائے گا۔'' چنانچہ اس صورت میں شک کا اظہار اس بات پر ہے کہ ان کا زوجہ ہونا دنیا میں ہے ..یا..آخرت میں۔

(۳) دراصل یہ اظہار شک تھا ہی نہیں، بلکہ علی التحقیق ویقین خبر ارشاد فرمائی تھی (یعنی مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس خواب کو ضرور پورا فرمائے گا) لیکن آپ نے اس خبر کو شک کی صورت میں بیان فرمایا۔ اور یہ اہل بلاغت کے نزدیک علم بدیع کی ایک قسم ہے، جسے وہ ''تجاہل عارف'' کا نام دیتے ہیں۔ [1] اور ان میں سے بعض اسے مزج الشک بالیقین (یعنی شک کو یقین سے ملا دینے) کا نام دیتے ہیں۔

ان جوابات میں سے تیسرا جواب زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ایک حدیث

میں صراحۃً مروی ہے کہ حضرت جبرئیل (علیہ السلام) خواب میں آپ کی تصویر لائے تھے، نہ کہ خود سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو۔ نیز انہوں نے، آپ کے، دنیا و آخرت میں زوجہ ہونے کی خبر بھی دی تھی۔ جیسا کہ ترمذی (من فضل عائشہ (رضی اللہ عنہا)) میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، "اِنَّ جِبْرَئِیْلَ جَاءَ بِصُوْرَتِهَا فِیْ خِرْقَةِ حَرِیْرٍ خَضْرَآءَ اِلَی النَّبِیِّ (ﷺ)۔ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام سبز ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فقال۔ اور عرض کی "هٰذِهٖ زَوْجَتُكَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ یعنی یہ دنیا و آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رحمتِ کونین (ﷺ) کا سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح فرمانا، معاذ اللہ خواہش نفسانی کے تابع ہو کر نہیں تھا، جیسا کہ بعض اسلام دشمن عناصر نے بہتان تراشی کی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا، جس کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس سے سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی حد درجہ عظمت و فضیلت ظاہر ہوئی۔

کثیر علم کی مالکہ

☆ حضرت ابو موسے رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں "مَا اَشْكَلَ عَلَیْنَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (رضی اللہ عنہم) حَدِیْثٌ قَطُّ فَسَاَلْنَا عَائِشَةَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا۔ یعنی جب بھی ہم اصحابِ رسول (رضی اللہ عنہم) کو کسی حدیث کے بارے میں مشکل پیش آتی، ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے، تو ان کے پاس اس کے متعلق علم پاتے۔ (ترمذی۔ من فضل عائشۃ (رضی اللہ عنہم))

ا :۔ یعنی جاننے والے کا کسی چیز کے بارے میں اس طرح کلام کرنا گویا کہ وہ اس کے بارے میں نہیں جانتا۔

فائدہ:۔

مراد یہ ہے کہ جب صحابہ کرام (رضی اللہ عنہ) پر حدیث پاک میں موجود کوئی مسئلہ مشتبہ ہو جاتا.. یا.. کسی مسئلے سے متعلق کوئی حدیث پاک مفقود ہو جاتی، تو سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہم) سے رجوع کیا جاتا۔ آپ اس کا جواب صراحۃً.. یا.. تاویلاً عنایت فرما دیتیں تھیں۔ اس سے سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا علم کثیر کی مالکہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فصاحت میں سب سے بڑھ کر

☆ حضرت موسیٰ بن طلحہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، فرماتے ہیں ''مَارَأَیْتُ اَحَدًا اَفْصَحَ مِنْ عَائِشَةَ۔ یعنی میں نے فصاحت میں سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا'' .... (ترمذی۔ من فضل عائشۃ (رضی اللہ عنہا))

فائدہ:۔

یعنی آپ کا کلام نہایت جامع، آسان، مختصر اور سمجھ میں آنے والا ہوتا تھا۔ سننے والا مفہوم اخذ کرنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہ کرتا تھا۔ یقیناً ایسے کلام پر قدرت، انسان کو عطا کی گئی خوبیوں میں سے ایک بہت بڑی خوبی ہے اور سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) اس نعمت سے بھی مالا مال تھیں۔

آپ کی شان میں بے ادبی باعث اذیت

☆ عمرو بن غالب سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سامنے، ناشائستہ الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا، ''اُغْرِبْ مَقْبُوْحًا مَنْبُوْحًا أَتُوْذِیْ حَبِیْبَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) ۔ یعنی بد بخت! مردود! دور ہو جا۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب زوجہ کو ایذا دیتا ہے؟'' ....

(ترمذی۔ من فضل عائشہ (رضی اللہ عنہا))

فائدہ:۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی عزت و ناموس کا دفاع، اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے۔ نیز ان کا قبیح الفاظ میں ذکر، ان کے لئے باعث تکلیف اور اللہ عزوجل کے غضب کو ابھارنے والا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ام المؤمنین بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

آپ حضرت عبداللہ بن جحش (رضی اللہ عنہ) کی سگی اور رسول اللہ (ﷺ) کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔آپ کی والدہ امیمہ بنت عبد المطلب (رضی اللہ عنہا)، رسول اللہ (ﷺ) کی پھوپھی ہیں۔آپ کا شمار اولاً اسلام قبول کرنے والوں میں ہوتا ہے۔نیز راہ خدا عزوجل میں ہجرت کا شرف بھی حاصل فرمایا تھا۔

رسول اللہ (ﷺ) آپ کا نکاح ایک قول کے مطابق ۳ھ، اور ایک کے مطابق ۵ھ میں ہوا۔ابن اسحٰق فرماتے ہیں، ''ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے نکاح کے بعد آپ کا نکاح ہوا۔''

سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرمایا کرتی تھیں، ''میں نے زینب سے زیادہ کسی عورت کو نیکوکار، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والی، قول کی سچی صلہ رحمی کرنے والی اور امانت دار نہیں دیکھا۔آپ ۲۰ھ اور ایک قول کے مطابق ۲۱ھ میں دورِ خلافتِ عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) میں فوت ہوئیں۔جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دے دیا کہ مدینہ کے ہر کوچہ و بازار میں اعلان کر دیا جائے کہ تمام اہلِ مدینہ، اپنی مقدس ماں کی نمازِ جنازہ کے لئے حاضر ہو جائیں۔امیر المومنین (رضی اللہ عنہ) نے خود ہی نمازِ جنازہ پڑھائی۔جنت البقیع میں مدفون ہیں۔(اسد الغابہ۔شرح صحیح مسلم للنووی۔مدارج النبوۃ)

آپ کے فضائل و مناقب

☆ قرآن پاک میں ہے، ''وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ ج وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا

زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۔ اور اے محبوب! یاد کرو جب تم فرماتے تھے، اس سے [1] جسے اللہ نے نعمت دی [2] اور تم نے اسے نعمت دی [3] کہ اپنی بی بی [4] اپنے پاس رہنے دے [5] اور اللہ سے ڈر [6] اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے وہ، جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنہ کا اندیشہ تھا [8] اور اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو، پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی [9] تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے، ان کے لے پالک کی بی بیوں میں جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔ (احزاب۔ ۳۷)

یہ آیت کریمہ، بی بی زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا) کے بیان فضیلت کے سلسلے میں بہترین دلیل ہے۔ تفسیر کبیر کی روشنی میں اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ جب رسول اللہ (ﷺ) نے آپ کا نکاح، اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) سے کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے عدم کفاءت کی بناء پر اسے ناپسند کیا، نیز آپ کے بھائی عبد اللہ بن جحش (رضی اللہ عنہ) نے اس سے منع فرما دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۔.....

﴿ترجمہ: اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم

---

[1]۔ حضرت زید بن حارثہ سے۔ [2]۔ اسلام کی۔ [3]۔ آزادی کی۔ [4]۔ زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا) کو۔ [5]۔ طلاق نہ دو۔ [6]۔ ان کے بارے میں شکایات کرنے کے سلسلے میں۔ [7]۔ یعنی یہ کہ تمہارا نباہ مشکل ہے، طلاق ضرور واقع ہو گی اور اللہ تعالیٰ، زینب کو ازواج مطہرات میں داخل فرمائے گا۔ [8]۔ کہ منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح کیوں کر لیا۔ [9]۔ یعنی طلاق دی دے اور عدت تمام ہو گئی

فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی بہکا۔﴾ (احزاب۔۳۶)

اس آیت کے نزول کے بعد آپ اس نکاح پر راضی ہوگئیں۔لیکن خاندانی بزرگی کی بناء پر حضرت زید (رضی اللہ عنہ) سے معاملات درست نہ رہ سکے۔حضرت زید (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ (ﷺ) کی بارگاہ میں آکر ان کے بارے میں خاندانی بڑے پن کے اظہار کے بارے میں عرض کرتے اور طلاق کا ارداہ فرماتے، لیکن رسول اللہ (ﷺ) انہیں سمجھا بجھا کر واپس کر دیتے۔لیکن جب ساتھ رہنا بہت مشکل ہوگیا، تو آپ نے بی بی زینب (رضی اللہ عنہا) کو طلاق دے دی۔ان کی عدت تمام ہو جانے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح رسول اللہ (ﷺ) سے فرمادیا، جس سے مقصود مسلمانوں پر اس بات کو ظاہر کر دینا تھا، جب لے پالک لڑکا طلاق دے دے، تو پالنے والے کے لئے اس کی زوجہ سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ (ﷺ) کا آپ سے نکاح فرمانا، اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس امر کی وضاحت کے لئے تھا، کسی خواہش نفسانی کا نتیجہ نہ تھا۔ (جلد ۹۔صفحہ ۱۷۹)

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) بیان فرماتے ہیں، ''بی بی زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا) رسول اللہ (ﷺ) کی دوسری ازواج کے سامنے فخر فرماتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر میرا نکاح کیا ہے۔رسول اللہ (ﷺ) نے روٹیوں اور گوشت سے ان ولیمہ فرمایا۔''

اور سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرمایا کرتی تھیں، ''رسول اللہ (ﷺ) کی ازواج میں زینب بنت جحش کے سوا کوئی میرے مقابلے کی نہ تھیں۔وہ دیگر ازواج کے سامنے

فخر یہ کہتی تھیں کہ حضور سے تمہارا نکاح، تمہارے آباء نے کیا ہے، جب کہ میرا نکاح، اللہ نے کیا ہے۔ ان کی وجہ سے حجاب کا حکم نازل ہوا، آپ اپنے ہاتھوں سے کام کاج کیا کرتی تھیں اور راہِ الٰہی میں صدقہ وخیرات کثرت سے فرماتیں۔'' (اسدلغابہ)

لمبے ہاتھوں والی

☆ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) بیان فرماتی ہیں، ''رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، ''اَسْرَعُکُنَّ لَحَاقًا بِیْ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا۔ یعنی تم میں سے سب سے زیادہ جلدی، میرے ساتھ وہ زوجہ لاحق ہوگی، جس کے ہاتھ تم میں سے سب سے زیادہ لمبے ہوں گے۔''... یہ سن کر ہم سب اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ فَکَانَتْ اَطْوَلَنَا یَدًا زَیْنَبُ لِاَنَّھَا کَانَتْ تَعْمَلُ بِیَدِھَا وَتَصَدَّقُ۔ پس سب سے زیادہ لمبے ہاتھ زینب کے ثابت ہوئے، کیونکہ آپ اپنے ہاتھوں سے کام کاج اور (کثرت سے) صدقہ وخیرات کرتی تھیں۔''

(مسلم۔ باب من فضائل زینب ام المؤمنین (رضی اللہ عنہا))

فائدہ:۔

علامہ نووی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں، ''رسول اللہ (ﷺ) کے لمبے ہاتھ کا ذکر فرمانے سے ازواج مطہرات نے جسمانی لمبائی مراد لی تھی، یہی وجہ تھی وہ سرکنڈوں سے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ بی بی سودہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاتھ اس لمبائی میں سب سے آگے رہے۔ لیکن جب زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا) کا سب سے پہلے وصال ہوا، تو ان کو علم ہوا کہ ہاتھوں کی لمبائی سے مجازاً صدقہ وخیرات میں کثرت مراد لی گئی تھی۔ عرف میں کہا جاتا ہے، فلاں شخص کے ہاتھ بہت لمبے ہیں یعنی وہ صدقہ وخیرات

زیادہ کرتا ہے۔اس حدیث پاک میں حضرت زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا) کی عظیم منقبت اور رسول اللہ (ﷺ) کے اعلیٰ معجزے کا اظہار ہے۔(شرح صحیح مسلم للنووی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ام المؤمنین بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا

ان کا اصلی نام زینب تھا، پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کا نام "صفیہ" رکھا۔ یہ یہودیوں کے قبیلہ بنونضیر کے بڑے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی ہیں۔ یہ خاندان بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بھائی حضرت ہارون (علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہیں۔

سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نکاح کا واقعہ اس طرح سے ہے کہ جنگِ خیبر میں جب مسلمانوں نے خیبر کو فتح کر لیا اور تمام اسیرانِ جنگ گرفتار کر کے جمع کئے گئے، تو اس وقت حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی (رضی اللہ عنہ) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایک لونڈی طلب کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم ان قیدیوں میں سے کوئی لونڈی اپنی پسند کی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ (رضی اللہ عنہا) کو لے لیا۔ مگر ایک صحابی نے عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! حضرت صفیہ بنوقریظہ اور بنونضیر کی شہزادی ہیں، ان کے خاندانی اعزاز یہ ہے کہ آپ ان کو اپنی ازواج مطہرات میں شامل فرمالیں۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں حضرت دحیہ (رضی اللہ عنہ) سے لے لیا اور ان کے بدلے میں ایک دوسری لونڈی عطا فرمادی۔ پھر حضرت صفیہ (رضی اللہ عنہا) کو آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمالیا۔ اور واپسی کے راستے میں دعوتِ ولیمہ میں کھجور، گھی، پنیر کا مالیدہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو کھلایا۔

حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت بی بی صفیہ (رضی اللہ عنہا) پر بہت ہی خصوصی توجہ اور انتہائی کریمانہ عنایت فرماتے تھے اور ان کا اس قدر خیال رکھتے کہ حضرت بی بی عائشہ (رضی اللہ عنہا) پر غیرت سوار ہو جایا کرتی تھی۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں حضرت صفیہ (رضی اللہ عنہا) کا اونٹ زخمی ہو گیا اور حضرت زینب کے پاس ایک فاضل اونٹ تھا۔ حضور

کرم (ﷺ) نے فرمایا "اے زینب (رضی اللہ عنہا)! تم اپنا اونٹ صفیہ (رضی اللہ عنہا) کو دے دو۔" حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) نے طیش میں آکر کہا کہ "میں اس یہودیہ کو اپنی کوئی چیز نہیں دوں گی۔" یہ سن کر آپ حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) پر بہت خفگی کا اظہار فرمایا۔" (مدارج النبوۃ صفحہ ۸۳۹)

﴿آپ کے فضائل ومناقب﴾

٭ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ بی بی صفیہ (رضی اللہ عنہا) کو خبر پہنچی کہ بی بی حفصہ (رضی اللہ عنہا) نے ان کے لئے یہودی کی بیٹی الفاظ ادا کئے ہیں۔ یہ سن کر آپ رونے لگیں۔ رسول اللہ (ﷺ) تشریف لائے تو رونے کی وجہ دریافت فرمائی۔ آپ نے عرض کی، "قَالَتْ لِیْ حَفْصَۃُ اِنِّی ابْنَۃُ یَھُوْدِیّ۔ یعنی حفصہ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔" یہ سن کر رحمت عالم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، "اِنَّکَ لَاِبْنَۃُ نَبِیٍّ وَاِنَّ عَمَّکَ لَنَبِیٌّ وَاِنَّکَ لَتَحْتَ نَبِیٍّ فَفِیْمَ تَفْخَرُ عَلَیْکَ۔ یعنی تم نبی کی بیٹی، نبی کی بھتیجی اور نبی کے نکاح میں ہو، تو پھر وہ (یعنی حفصہ) تم پر کس چیز کے بارے میں فخر کررہی ہیں؟..... پھر فرمایا، "اِتَّقِی اللّٰہَ یَا حَفْصَۃُ! اے حفصہ، اللہ سے ڈرو۔" (مشکوۃ بحوالہ ترمذی ونسائی۔ باب مناقب ازواج النبی (ﷺ))

فائدہ:۔

بی بی حفصہ (رضی اللہ عنہا) کا مذکورہ جملہ بی بی صفیہ کے والد پر نظر رکھتے ہوئے تھا۔ رحمت عالم (ﷺ) نے تسلی وتشفی کی خاطر انہیں ذکر کردہ رشتے یاد دلائے۔ نبی کی بیٹی سے مقصود، ان کے جد اکبر حضرت اسحٰق یا ھارون (علیہ السلام) کی جانب اشارہ تھا۔ چچا سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور آخر میں خود اپنی ذات مبارک کا قصد فرمایا۔

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کسی صاحب منصب وفضیلت سے تعلق ورشتہ داری، تعلق رکھنے والے کے لئے بھی باعثِ فضیلت ہوا کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿ام المؤمنین بی بی اسماء رضی اللہ عنہا﴾

آپ کا نام، ہند بنتِ ابی امیہ ہے۔ والدہ کا نام عاتکہ بنتِ عامر تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نکاح میں تشریف لانے سے قبل ابو سلمہ بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے نکاح میں تھیں۔ آپ نے اپنے سابقہ شوہر کے ساتھ سب سے پہلے جانبِ حبشہ ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ اور آپ ہی وہ پہلی صحابیہ ہیں، جنہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ۳ھ میں غزوہ بدر کے بعد، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عقد میں تشریف لائیں۔ ۶۱ ھ میں یزید بن معاویہ کی حکومت کے ابتدائی ایام میں وصال فرمایا۔

ایک قول کے مطابق حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ)، اور دوسرے کے مطابق حضرت سعید بن زید (رضی اللہ عنہ) نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

(اسد الغابہ)

﴿آپ کے فضائل و مناقب﴾

حضرت سلمان (رضی اللہ عنہ) ارشاد فرماتے ہیں، ”حضرت جبرئیل (علیہ السلام) (حضرت دحیہ کی صورت میں) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت سیدہ ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) آپ کے پاس بیٹھی تھیں۔ آپ حضرت جبرئیل (علیہ السلام) سے باتیں فرماتے رہے۔ پھر وہ کھڑے ہوگئے، تو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے دریافت فرمایا، ”مَنْ هٰذَا؟ یعنی یہ کون تھے؟“ آپ نے عرض کی، ”هٰذَا دَحْيَةُ۔ یہ دحیہ تھے۔“ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے تو ان کو دحیہ ہی گمان کیا تھا، لیکن جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خطبہ ارشاد فرمایا اور آپ اس میں حضرت جبرئیل (علیہ السلام) کے متعلق خبر دے رہے تھے (تب مجھے معلوم ہوا کہ وہ تو جبرئیل تھے۔) (مسلم۔ باب ام سلمہ (رضی اللہ عنہ))

فائدہ:۔

حضرت جبرئیل (علیہ السلام) کو اپنی ظاہری آنکھوں سے ملاحظہ فرمانا، سیدہ اسماء (رضی اللہ عنہ) کے فضائل میں سے ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مصنف کی دیگر کتب کی فہرست

ہدیہ	کتاب کا نام	نمبر شمار
60 روپے	قابل رشک خواتین	1
67 روپے	نورانی واقعات	2
45 روپے	اصلاحی بیانات	3
60 روپے	چالیس حدیثیں (اربعین رضوی)	4
روپے	قرآنی بیانات	5
67 روپے	شیطانی چکر	6
67 روپے	غیراللہ سے مدد مانگنا کیسا؟	7
12 روپے	اسلحے کے سائے میں نماز	8
96 روپے	تحفۃ المبلغین	9
27 روپے	احساسِ نعمت	10
18 روپے	عاشقوں کی عید	11
12 روپے	نجات یا ہلاکت	12